صرفِ دولت کا اسلامی نظریہ

جناب صوبیدار لطیف اللہ صاحب

اسلام کے نزدیک مال و دولت کوئی ممنوع اور بری چیز نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر انسان مال و دولت کو حاصل کرنے میں اپنے معبودِ حقیقی سے غافل نہ ہو اور جائز ذرائع سے حاصل کرے تو یہی مال و دولت انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور عنایات میں سے ایک بہترین نعمت ہے یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ جس مال و دولت کو قرآن مجید زندگی کے قیام کا ذریعہ ٹھہرائے اور جس کے بغیر انسانی زندگی کے وجود کو خطرہ لاحق ہو جائے۔ اس کو نہ کمانا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے منہ موڑنے کے مترادف ہے۔ اسی لیے قرآن مجید حصول رزق کی تاکید فرماتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ [1]

ترجمہ: اور رزق کی تلاش کرو اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کیا کرو تاکہ تم فلاح و کامرانی پا سکو۔

دوسری جگہ قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ [2]

---

[1] سورۃ الجمعہ : ۱۰

[2] سورۃ الملک : ۱۵

ترجمہ: وہی اللہ جس نے تمہارے لیے زمین کو پست کر دیا پس اُس زمین کی پہنائیوں میں چلو پھرو اور اُس خدا کا رزق کھاؤ اور اسی کی طرف تمھیں دوبارہ زندہ ہو کر واپس جانا ہے۔

قرآن مجید میں حصول رزق کی تاکید کے لیے ساتھ ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی رزق کے حصول کے لیے بڑے جامع اور بلیغ انداز میں تاکیدی ارشادات بیان فرمائے ہیں۔

عن عبد اللہ بن مسعودؓ قَالَ قَالَ صلی اللہ علیہ وسلم طلب کسبِ الحلال فریضۃٌ بعد الفریضۃ [۱]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا رزقِ حلال کی تلاش و جستجو کرنا فریضہ کے بعد فریضہ ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک سے واضح ہے کہ انسان کو اپنے اور اپنے خاندان کے لیے حلال کمائی کی تلاش کرنا نماز اور دیگر فرائض الٰہیہ کے بعد ایک فریضہ ہے۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور ارشاد مبارک یُوں ہے۔

مَا اَکل احدٌ طعامًا قطّ خیرًا من ان یاکل من عملِ یدہٖ وَ انّ نبیّ اللہ داؤد علیہ السّلام کان یاکل من عملِ یدہٖ [۲]

ترجمہ: اس سے بہتر کھانا کسی نے نہیں کھایا جو اپنے ہاتھ سے محنت کر کے کھائے اور اللہ کے نبیؑ داؤد علیہ السّلام اپنے ہاتھ سے محنت کر کے کھاتے تھے۔

عن رافع بن خدیجؓ قالَ قیلَ یا رسول اللہ ایّ الکسب اَطیب قالَ عمل الرجل بیدہٖ [۳]

ترجمہ: حضرت رافع بن خدیج سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سا کسب پاکیزہ ہے آپؐ نے ارشاد فرمایا آدمی کا اپنے ہاتھ سے کمانا۔

---

[۱] مشکوٰۃ المصابیح، جلد دوم، باب الکسب وطلب الحلال ص ۵، مکتبہ رحمانیہ لاہور

[۲] صحیح بخاری شریف، جلد اول، باب کسب الرجل و عملہ بیدہ ص ۲۷۹، طبع سعید کمپنی کراچی

[۳] مشکوٰۃ المصابیح، جلد دوم، باب الکسب وطلب الحلال ص ۵

قرآن مجید کی جو آیات مقدسہ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث شریفہ اس ضمن میں پیش کی گئی ہیں ان کا اصل مقصد اور غرض وغایت یہاں پر اس چیز کو واضح کرنے کے سوا کچھ نہیں تھا کہ مال و دولت اور رزق کی تلاش و جستجو اسلام کے نزدیک کتنی اہمیت کی حامل ہے اور یہ بھی ثابت کرنا تھا کہ مال و دولت اور رزق اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک ایسی نعمت ہے جس کے ساتھ ہماری زندگی کی بقاء اور قیام وابستہ ہے اس لیے ضروری ہے کہ ہم مال و دولت کو خرچ کرتے ہیں ایک محتاط رویہ اختیار کریں اور مکمل فہم و بصیرت اور دانشمندی سے کام لیں تاکہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمتِ عظمیٰ کو مقررہ حدود کے اندر اس کے جائز مصارف پر خرچ کر سکیں۔

مال و دولت کو حاصل کرنے کے بعد اس کو خرچ کرنے کا مرحلہ آتا ہے۔ یہی وہ مرحلہ ہے جہاں ہر صاحبِ مال کو دُور اندیشی اور کامل فہم و بصیرت سے کام لینے کی ضرورت ہوتی ہے اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَاتَزُولُ قَدَمَا ابنِ اٰدمَ یومَ القیٰمَۃِ حتّٰی یُسْأَلَ عن خمسٍ عن عمرِہٖ فیما افناہُ وَعن شبابِہٖ فیما ابلاہُ وَعن مَالِہٖ مِن این اکتسبہُ وَفیما انفقہُ وَمَاذا عملَ فیما عَلِمَ[1]

ترجمہ: قیامت کے دن اولادِ آدم کے قدم نہیں سرکیں گے یہاں تک کہ اس سے پانچ چیزوں کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ اس کی عمر کے متعلق کس کام میں صرف کی۔ جوانی کے متعلق کس چیز میں پرانی کی اور مال کے متعلق کہاں سے اس کو کمایا اور کہاں صرف کیا اور پوچھا جائے گا جو علم حاصل کیا اس پر کہاں تک عمل کیا۔

مصارف کی اقسام

مال و دولت کو صرف کرنے کے لحاظ سے دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ جائز مصارف اور ناجائز مصارف۔ جائز مصارف وہ ہیں جن پر خرچ کرنے کی اجازت ہے اور ناجائز مصارف وہ ہیں

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح، جلد دوم، کتاب الرقاق ص ۴۹۲

جن پر خرچ کرنے کی اسلام اجازت نہیں دیتا ۔ پھر جائز مصارف کے بھی دو حصے ہیں - ایک دینی مصارف اور دوسرے دنیاوی مصارف ۔ لیکن اسلام کے نزدیک دنیاوی مصارف اور دینی مصارف کی تخصیص اور درجہ بندی کوئی وقعت نہیں رکھتی کیونکہ اسلام دین و دنیا کو ایک دوسرے سے پیوستہ رکھتا ہے البتہ اسلام جس چیز کو اہمیت دیتا ہے اور جس سے دین و دنیا دونوں کو نکھارتا ہے ۔ وہ ہے ارادہ اور نیت ۔ چونکہ اسلامی زندگی کے ہر شعبے میں نیت اور ارادے کا بڑا عمل دخل ہے ۔ اس لحاظ سے دنیاوی مصارف پر اگر خرچ کرنے کا مقصد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا کا حصول ہو تو وہ دنیاوی مصارف اپنی نوعیت کے لحاظ سے دینی مصارف کی نوع اختیار کر جاتے ہیں اور اگر دولت خرچ کرنے کا مقصد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا کے سوا کچھ اور ہو مصارف کی نوعیت دینی ہی کیوں نہ ہو پھر بھی وہ صارف کے لیے مفید اور سود مند ہونے کی بجائے اُلٹا موجب خسران ہو جاتے ہیں ۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے :

انّما الاعمالُ بالنیّات [1]

بے شک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے ۔

صرفِ دولت کے اسلامی اصول

خرچ کرنے کے جتنے طریقے اخلاق کو نقصان پہنچانے والے ہیں یا جن سے سوسائٹی کو نقصان پہنچتا ہے وہ سب ممنوع ہیں ۔ آپ جوئے میں اپنی دولت نہیں اڑا سکتے ۔ آپ شراب نہیں پی سکتے آپ زنا نہیں کر سکتے ۔ آپ گانے بجانے اور ناچ رنگ اور عیاشی کی دوسری صورتوں میں اپنا روپیہ نہیں خرچ کر سکتے ۔ آپ ریشمی لباس نہیں پہن سکتے ۔ آپ سونے اور جواہر کے زیورات یا برتن استعمال نہیں کر سکتے آپ تصویروں سے اپنی دیواروں کو مزین نہیں کر سکتے ۔ غرض یہ کہ اسلام نے ان تمام دروازوں کو بند کر دیا ہے ۔ جن سے انسان کی دولت کا بیشتر حصّہ اُس کی اپنی نفس پرستی پر صرف ہو جاتا ہے ۔ وہ خرچ کی جن صورتوں کو جائز رکھتا ہے وہ اس قسم کی ہیں کہ آدمی بس ایک اوسط درجہ کی شستہ اور پاکیزہ زندگی بسر

---

[1] سنن ابن ماجہ ، جلد دوم ، باب النیۃ ص ۵۶۶ ، مطبع سندھ ساگر پرنٹرز لاہور ۔

کرے۔ اس سے زائد اگر کچھ بچتا ہو تو اُسے خرچ کرنے کا راستہ اُس نے یہ تجویز کیا ہے کہ اُسے نیکی اور بھلائی کے کاموں میں، رفاہِ عام میں اور اُن لوگوں کی امداد میں صرف کیا جائے جو معاشی اعتبار سے اپنی ضرورت کے مطابق حصّہ پانے سے محروم رہ گئے ہوں۔ اسلام کے نزدیک بہترین طرزِ عمل یہ ہے کہ آدمی جو کچھ کمائے اُسے اپنی جائز اور معقول ضرورتوں پر خرچ کرے اور پھر بھی جو بچ رہے اُسے دوسروں کو دے دے تاکہ وہ اپنی ضرورتوں پر خرچ کریں۔ اس صفت کو اسلام نے بلند ترین اخلاق کے معیاروں میں داخل کیا ہے اور ایک آئیڈئل کی حیثیت سے اس کو اتنے زور کے ساتھ پیش کیا ہے کہ جب کبھی سوسائٹی پر اسلامی اخلاقیات کا اثر غالب ہو گا اجتماعی زندگی میں وہ لوگ زیادہ عزت کی نگاہ سے دیکھے جائیں گے جو کمائیں اور خرچ کر دیں اور اُن لوگوں کو اچھی نگاہ سے نہ دیکھا جائے گا جو دولت کو سمیٹ سمیٹ کر رکھنے کی کوشش کریں۔[۱]

اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لیے انفاقِ مال

صرفِ دولت کے متعلق اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ سب سے پہلے انسان اپنی ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کے لیے خرچ کرے۔ کیونکہ انسانی زندگی کا قیام و بقاء اسی مال و دولت سے وابستہ ہے اسلام دنیا کے تمام مذاہب و ادیان کے رجحانات کے برعکس ضروریاتِ زندگی کو محدود رکھنے کے خلاف ہے حتیٰ کہ مناسب آرائش و زیبائش اور زینت و خوبصورتی پر بھی دولت خرچ کرنے کی اجازت دیتا ہے چنانچہ قرآن مجید میں ارشادِ ربانی ہے:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا
وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ [۲]

ترجمہ: اے بنی آدم ہر عبادت کے موقع پر اپنی زینت سے آراستہ رہو اور کھاؤ پیو اور حد سے تجاوز نہ کرو اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

---

[۱] معاشیات اسلام، سید ابوالاعلیٰ مودودی ص ۵۹، اسلامک پبلی کیشنز لاہور۔

[۲] سورۃ الاعراف: ۳۱

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب اسی آیت مقدسہ کی تفسیر و توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں
یہاں زینت سے مُراد مکمل لباس ہے۔ خدا کی عبادت میں کھڑے ہونے کے لیے صرف اتنا ہی کافی
نہیں ہے کہ آدمی محض اپنا ستر چھپالے بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ حسب استطاعت وہ اپنا
پورا لباس پہنے جس میں ستر پوشی بھی ہو اور زینت بھی یہ حکم اس غلط رویہ کی تردید کے لیے جس پر جہلا اپنی
عبادتوں میں عمل کرتے رہے ہیں اور آج تک کر رہے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ برہنہ یا نیم برہنہ ہو کر اور اپنی
ہیئتوں کو بگاڑ کر خدا کی عبادت کرنی چاہیے۔ اس کے برعکس خدا کہتا ہے کہ اپنی زینت سے آراستہ
ہو کر ایسی وضع میں عبادت کرنی چاہیے جس کے اندر برہنگی تو کیا ناشائستگی کا بھی شائبہ تک نہ ہو۔
اللہ تعالیٰ کو تمہاری خستہ حالی اور فاقہ کشی اور طیبات رزق سے محرومی عزیز نہیں ہے کہ اس کی
بندگی بجالانے کے لیے یہ کسی درجہ میں بھی مطلوب ہو بلکہ اس کی عین خوشی یہ ہے کہ تم اس کے بخشے ہوئے
عمدہ لباس پہنو اور پاک رزق سے متمتع ہو اس کی شریعت میں اصل گناہ یہ ہے کہ آدمی اس کی مقرر کردہ
حدوں سے تجاوز کرے۔ خواہ یہ تجاوز حلال کو حرام کر لینے کی شکل میں ہو یا حرام کو حلال کر لینے کی شکل میں[1]

اسراف

انسان کی ضروریات کی تکمیل کا تقاضا ہے کہ وہ مال و دولت صرف کرے۔ سہولت اور آرام و سکون کی خاطر بھی مال صرف کیا جاتا ہے اور اپنے فطری ذوقِ جمال کی تسکین کے لیے زینت و آرائش پر بھی مال صرف کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ اعتدال و توازن اور اخلاقی حدود کو ملحوظ رکھا جائے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا[2]

ترجمہ: اور جو لوگ خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل بلکہ ان دونوں کے
درمیان اعتدال پر قائم رہتے ہیں۔

---

[1] تفہیم القرآن للمودودی، جلد دوم ص ۲۲، مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور

[2] سورۃ الفرقان: ۶۷

صاحب تفہیم القرآن اسی آیت مقدسہ کی تفسیر و توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔
نہ توان کا یہ حال ہے کہ عیاشی اور قمار بازی اور شراب نوشی اور یار باشی اور میلوں ٹھیلوں اور شادی بیاہ میں بے دریغ روپیہ خرچ کریں اور اپنی حیثیت سے بڑھ کر اپنی شان دکھانے کے لیے غذا، مکان، لباس اور تزئین و آرائش پر دولت لٹائیں اور نہ ان کی کیفیت یہ ہے کہ ایک زر پرست آدمی کی طرح پیسہ جوڑ جوڑ کر رکھیں۔ نہ خود کھائیں نہ بال بچوں کی ضروریات اپنی استطاعت کے مطابق پوری کریں اور نہ کسی راہِ خیر میں خوش دلی کے ساتھ دیں۔ عرب میں یہ دونوں قسم کے نمونے کثرت سے پائے جاتے تھے۔ ایک طرف وہ لوگ تھے جو خوب دل کھول کر خرچ کرتے تھے مگر ان کے ہر خرچ کا مقصود یا تو ذاتی عیش و تنعم تھا یا برادری میں ناک اونچی رکھنا اور اپنی فیاضی اور دولت کے ڈنکے بجوانا۔ دوسری طرف وہ بخیل تھے جن کی کنجوسی مشہور تھی۔ اعتدال کی روش بہت ہی کم لوگوں میں پائی جاتی تھی اور ان کم لوگوں میں اس وقت سب سے زیادہ نمایاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحابؓ تھے۔

اسراف: اس موقع پر یہ جان لینا چاہیے کہ اسراف کیا چیز ہے اور بخل کیا چیز ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے اسراف تین چیزوں کا نام ہے۔ ایک ناجائز کاموں میں دولت صرف کرنا خواہ وہ ایک پیسہ ہی کیوں نہ ہو۔ دوسرے جائز کاموں میں خرچ کرتے ہوئے حد سے تجاوز کرنا خواہ اس لحاظ سے کہ آدمی اپنی استطاعت سے زیادہ خرچ کرے یا اس لحاظ سے کہ آدمی کو جو دولت اس کی ضرورت سے بہت زیادہ مل گئی ہو اسے وہ اپنے ہی عیش اور ٹھاٹ باٹ میں صرف کرتا چلا جائے۔ تیسرے نیکی کے کاموں میں خرچ کرنا مگر اللہ کے لیے نہیں بلکہ ریا اور نمائش کے لیے۔

بخل: اس کے برعکس بخل کا اطلاق دو چیزوں پر ہوتا ہے ایک یہ کہ آدمی اپنی اور اپنے بال بچوں کی ضروریات پر اپنی مقدرت اور حیثیت کے مطابق خرچ نہ کرے۔ دوسرے یہ کہ نیکی اور بھلائی کے کاموں میں اس کے ہاتھ سے پیسہ نہ نکلے۔ ان دونوں انتہاؤں کے درمیان اعتدال کی راہ ہے جس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ من فقہ الرجل قصدہ فی معیشتہ، یعنی اپنی حیثیت میں توسط اختیار کرنا آدمی کے فقیہہ (دانا) ہونے کی علامتوں میں سے ہے[1]

---

[1] تفہیم القرآن، مولانا ابو الاعلیٰ مودودی، جلد سوم ص ۴۶۲

پیر محمد کرم شاہ الازہری نے آیت مبارکہ کی تشریح یوں بیان فرمائی ہے۔
ان کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ نہ فضول خرچ ہیں نہ بخیل بلکہ درمیانہ روی اور اعتدال کی راہ پر ہمیشہ گامزن رہتے ہیں۔ اسراف کسے کہتے ہیں اور اقتار (بخل) کیا ہوتا ہے اس کی تشریح کرتے ہوئے علماء نے متعدد اقوال لکھے ہیں لیکن نحاس کا پسندیدہ قول یہ ہے۔ کہ جو روپیہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے بغیر خرچ کیا جائے وہ اسراف ہے اور دولت کو اس کی اطاعت میں خرچ کرنے سے رُک جانا بخل ہے اور جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خرچ کیا وہی میانہ رو اور اعتدال پسند ہے۔

وَمن احسن ما قیل فی معناہ ان من انفق فی غیر طاعۃ اللہ فھو الاسراف ومن امسك عن طاعۃ اللہ عزّ وجلّ فھو الاقتار ومن انفق فی طاعۃ فھو القوام (قرطبی)[1]

اسراف کی ممانعت کے بارے میں قرآنی آیات پیش کرنے کے بعد چند احادیث پیش کی جاتی ہیں تاکہ اسراف کی حقیقت واضح ہو سکے۔

قالَ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کُلوا واشربُوا وتصدّقوا وَالبسُوا مَا لَمْ یُخالطہٗ اسرافٌ اَو مخیلۃٌ[2]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کھاؤ اور پیو اور صدقہ کرو اور پہنو لیکن اس میں اسراف اور تکبر نہ ہو۔

عن ابن عباسؓ قالَ کُلْ مَا شِئتَ وَالبسْ مَا شِئتَ مَا اخطأتكَ اثنتانِ سرفٌ و مخیلۃٌ[3]

ابن عباسؓ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا جو تو چاہے کھا اور جو تو چاہے پہن جب کہ دو چیزیں نہ ہوں اسراف اور تکبر۔

---

[1] ضیاء القرآن، پیر محمد کرم شاہ الازہری، جلد سوم ص ۳۷۴ ۔ ۳۷۵ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور
[2] سنن ابن ماجہ، جلد دوم، کتاب اللباس ص ۳۸۳
[3] مشکوٰۃ المصابیح، جلد دوم، کتاب اللباس ص ۳۳۵

ایک دوسری حدیث میں حضرت انس بن مالکؓ راوی ہیں ۔

قالَ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم انّ من السرفِ اَن تا کُل کلّ ما اشتھیتَ [1]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر اس چیز کا کھانا جس کی نفس خواہش کرے فضول خرچی میں داخل ہے ۔

کھانے پینے اور پہننے کے علاوہ رہنے کے لیے مکان بھی انسان کی ضروریات میں سے ہے۔ اس انسانی ضرورت کے متعلق اسلام کا نقطۂ نظر معلوم کرنے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث یوں ہے ۔

عن انسؓ قالَ مرّ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم بقبۃٍ علی باب رجلٍ من الانصار فقال ما ھذہٖ قالوا قبۃٌ بناھا فلانٌ قالَ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم کلّ مالٍ یکون ھکذہ فھو وبالٌ علی صاحبہٖ یوم القیمٰۃ فبلغ الانصاری ذالک فوضعھا فمرّ النبیّ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم بعدُ فلم یرھا فسئال عنھا فاخبر انّہٗ وضعھا لمّا بلغہٗ عنکَ فقال فقال یرحمہٗ اللّٰہ یرحمہٗ اللّٰہ [2]

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک گول مکان کے قریب سے ہوا جو ایک انصاری کا بنایا ہوا تھا ۔ آپؐ نے پوچھا یہ کیا ہے ۔ لوگوں نے جواب دیا یہ فلاں شخص کا مکان ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو مال ایسی چیزوں میں خرچ کیا جائے تو وہ قیامت کے دن اس مالک کے لیے وبال ہوگا۔ جب اس انصاری کو معلوم ہوا تو اس نے فوراً وہ مکان گرا دیا اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا تو آپؐ نے اس مکان کو نہ دیکھ کر فرمایا اس مکان کا کیا ہوا صحابہؓ نے

---

[1] سنن ابن ماجہ ، جلد دوم ، ابواب الاطعمۃ ص ۳۲۰

[2] سنن ابن ماجہ ، جلد دوم ، ابواب الزہد ص ۵۴۹

جواب دیا یا نبی اللہ آپ کا فرمان سن کر اس نے گرا دیا آپ نے ارشاد فرمایا اللہ اس پر رحم کرے اللہ اس پر رحم کرے ۔

یہی حدیث الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ مشکوٰۃ المصابیح میں بھی درج ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان مبارک کا آخری حصہ اسراف کی حقیقت کو پوری طرح آشکار کرتا ہے ۔ آپ کا ارشاد ہے:

انّ کلّ بناءٍ وبالٌ علی صاحبہ الاما لا یعنی الّا مالا بُدّ منہ۔ [1]

آگاہ رہو کہ ہر عمارت اپنے مالک کے لیے وبال ثابت ہوگی بجز اس کے جو ناگزیر ہو۔

ان احادیث نبویہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسراف سے اس لیے منع کیا گیا ہے تاکہ انسان صرف دولت میں ایک معتدل اور متوازن لائن پر قائم رہ سکے کیونکہ ایک با مقصد اور ذمہ دار زندگی میں حدّ اعتدل سے تجاوز کی کوئی گنجائش نہیں ۔ مال و دولت سے ہماری زندگی کا قیام وابستہ ہے لیکن زندگی کے بھی کچھ مقاصد ہیں ۔ قیام حیات کے ضروری اہتمام کے بعد انسان کو بلند مقاصد کی طرف توجہ کرنی چاہیے نہ کہ اسے عیش وعشرت اور لذت اندوزی اور تنعّم میں منہمک ہو جانا چاہیے ۔ حدیث نبوی ہے ۔

عن معاذ بن جبل رضی انّ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم لمّا بعث بہ الی الیمن قال ایاک والتنعّم فانّ عباد اللہ لیسوا بالمتنعّمین [2]

معاذ بن جبل رضی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انہیں یمن بھیجا تو فرمایا کہ خبردار عیش کوشی سے اجتناب کرنا کیونکہ اللہ کے بندے عیش کوش نہیں ہوتے ۔

بخل

اسلام میں اپنی اور اپنے متعلقین کی مستقبل کی ضروریات کے لیے مال و دولت جمع کرنے کی ممانعت نہیں لیکن یہ اجازت حدّ اعتدال کے ساتھ مشروط ہے ۔ اسلام یہ ہرگز نہیں چاہتا کہ مال و دولت کو خزانوں کی شکل میں جمع کر کے رکھ دیا جائے جس سے دولت کی گردش کا عمل رک جائے ۔ بلکہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ دولت کی گردش ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جاری و ساری رہے اسی لیے قرآن مجید میں مال و دولت جمع کرنے والوں کے لیے سخت وعید آئی ہے ۔

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح، جلد دوم، کتاب الرقاق ص ۴۹۰

[2] ایضاً، باب فضل الفقراء وما کان من عیش النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم ص ۵۰۶

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ [1]

اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خبر دے دو۔

صرف دولت کے متعلق اسلام کا نقطۂ نظریہ ہے کہ اپنی ضروریات کی تکمیل کے لیے مناسب حد تک خرچ کریں۔ خرچ کے مناسب مواقع میں جس طرح ذاتی ضروریات اور زیر کفالت افراد کی ضروریات شامل ہیں وہاں انفاق فی سبیل اللہ، حاجت مندوں کی حاجت روائی اور اجتماعی فلاح و بہبود کے کاموں پر مال و دولت صرف کرنا بھی شامل ہے۔ مال و دولت کی موجودگی میں ان مواقع پر خرچ نہ کرنا یا موقع اور حیثیت کے تقاضے سے کم خرچ کرنے کا نام بخل ہے جس کو اسلام سخت ناپسند کرتا ہے۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ط بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ط سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ [2]

اور جو لوگ اللہ کے دیے ہوئے فضل کے معاملہ میں بخل سے کام لیتے ہیں وہ اس غلط فہمی میں نہ رہیں کہ یہ ان کے لیے اچھا ہے بلکہ یہ ان کے لیے بہت برا ہے جس مال میں انہوں نے بخل کیا ہے اسی کا طوق قیامت کے روز ان کے گلے میں ڈالا جائے گا۔

قرآن مجید میں دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا [3]

اور اپنا ہاتھ نہ تو اپنی گردن سے باندھ رکھ (کہ کچھ خرچ نہ کرے) اور نہ اسے بالکل ہی کھول دے کہ ملامت زدہ اور حسرت زدہ بن کر بیٹھا رہ جائے۔

---

[1] سورۃ التوبہ : ۳۴

[2] سورۃ آل عمران : ۱۸۰

[3] سورۃ بنی اسرائیل : ۲۹

بُخل انسان میں بہت سی اخلاقی خرابیاں پیدا کرنے کا موجب بنتا ہے جس سے پورا اسلامی معاشرہ متاثر ہوتا ہے۔ بخل محض تنگ ظرفی اور کمینگی ہی کا نام نہیں بلکہ حسنِ عمل اور کریمانہ رویوں کا قاتل جذبہ ہے۔ بخل سیرت و کردار کے حُسن کو ختم کر دیتا ہے۔ بخل انسان کو لالچی اور حریص بنا دیتا ہے۔ بُخل جہاں انسان کو زیادہ سے زیادہ دولت سمیٹنے کے چکر میں گرفتار کر لیتا ہے تو وہاں اُسے خرچ کرنے سے بھی باز رکھتا ہے جو کہ انسان کے لیے صریحاً نقصان اور گھاٹے کا عمل ہے جو انسان بخل اور کنجوسی سے اپنے دامن کو محفوظ و مامون کر لیتا ہے وہ سُرخرو اور کامیاب ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ [1]

جو لوگ اپنے نفس کی تنگی سے بچا لیے گئے وہی فلاح و کامرانی پانے والے ہیں۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اسی آیت کریمہ کی تفسیر و توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

'شح کا لفظ عربی زبان میں کنجوسی اور بُخل کے لیے استعمال ہوتا ہے مگر جب اس لفظ کو نفس کی طرف منسوب کر کے شح نفس کیا جائے تو یہ تنگ نظری، تنگ دلی، کم حوصلگی اور دل کے چھوٹے پن کا ہم معنی ہو جاتا ہے جو بُخل سے وسیع تر چیز ہے بلکہ خود بُخل کی بھی اصل جڑ وہی ہے اس صفت کی وجہ سے آدمی دوسرے کا حق ماننا اور ادا کرنا تو درکنار اُس کی خوبی کا اعتراف تک کرنے سے جی چُراتا ہے وہ چاہتا ہے کہ دنیا میں سب کچھ اُسی کو مل جائے اور کسی کو کچھ نہ ملے دوسروں کو خود دینا تو کجا کوئی دوسرا بھی اگر کسی کو کچھ دے تو اس کا دل دُکھتا ہے اس کی حرص کبھی اپنے حق پر قانع نہیں ہوتی بلکہ وہ دوسروں کے حقوق پر دست درازی کرتا ہے یا کم از کم دل سے یہ چاہتا ہے کہ اس کے گرد و پیش دنیا میں جو اچھی چیز ہے اسے اپنے لیے سمیٹ لے اور کسی کے لیے کچھ نہ چھوڑے اس بنا پر قرآن مجید میں اس بُرائی سے بچ جانے کو فلاح کی ضمانت قرار دیا گیا ہے۔

پھر مولانا موصوف احادیث نبویہ پیش کر کے واضح کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ان بدترین انسانی اوصاف میں شمار کیا ہے جو فساد کی جڑیں ہیں۔ حضرت جابرؓ بن عبداللہ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:

---

[1] سورۃ الحشر : ۹

اتقو الشحّ فانّ الشحّ اھلک من قبلکم حملھم علی ان سفکوا دماءھم واستحلوا محارمھم (مسلم، مسند احمد، بیہقی، بخاری فی الادب)۔

یعنی شحّ سے بچو کیونکہ شحّ ہی نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا۔ اسی نے ان کو ایک دوسرے کے خون بہانے اور دوسروں کی حرمتوں کو اپنے لیے حلال کر لینے پر اکسایا۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی روایت میں الفاظ یہ ہیں۔

امرھم بالظلم فظلموا وامرھم بالفجور ففجروا وامرھم بالقطیعۃ فقطعوا (مسند احمد، ابوداؤد، نسائی)

اسی نے ان کو ظلم پر آمادہ کیا اور انھوں نے ظلم کیا، فجور کا حکم دیا اور انھوں نے فجور کیا قطع رحمی کرنے کے لیے کہا اور انھوں نے قطع رحمی کی۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ایمان اور شحّ نفس کسی کے دل میں جمع نہیں ہو سکتے (ابن ابی شیبہ، نسائی، بیہقی فی شعب الایمان، حاکم)

حضرت ابوسعید خدریؓ کا بیان ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا "دو خصلتیں ہیں جو کسی مسلمان کے اندر جمع نہیں ہو سکتیں بخل اور بد خلقی (ابوداؤد، ترمذی، بخاری فی الادب)

اسلام کی اسی تعلیم کا ثمرہ ہے کہ افراد سے قطع نظر مسلمان بحیثیت قوم دنیا میں آج بھی سب سے بڑھ کر فیاض اور فراخ دل ہیں۔[1]

معاشی میدان میں انسان اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ضروریاتِ زندگی فراہم کرنے کا ذمہ دار ہے کیونکہ خاندان کا سربراہ ہونے کی حیثیت سے اس پر یہ لازم ہے کہ وہ ان معاشی ذمہ داریوں کو ادا کرے جو اسلام اُس پر عائد کرتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِھِمْ[2]

---

[1] تفہیم القرآن للمودودی جلد پنجم ص ۳۹۶ - ۳۹۷

[2] سورۃ النساء: ۳۴

مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس لیے کہ اللہ نے بعض کو بعض سے افضل بنایا ہے اور اس لیے بھی کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں مردوں کو عورتوں پر قوّام ٹھہرایا گیا ہے اور قوامیت کا مفہوم یہی ہے کہ وہ عورتوں کے نان و نفقہ پورا کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ بیوی تو اہل و عیال کے شمار میں سرفہرست ہے۔ اگر اہل و عیال کی دوسری ضروریات کے ساتھ ساتھ معاشی ضروریات پر مال و دولت خرچ نہ کیا جائے تو ان کا ضائع ہونا یقینی امر ہے اور اپنے اہل و عیال کے ضائع کرنے کا گناہ خاندان کے سربراہ کے ذمہ ہے۔ اسی لیے اسلام حکم دیتا ہے کہ اپنی اہل و عیال کی ضروریات پر خرچ کرو اور خرچ کرنے کا مقصود اللہ کی خوشنودی کا حصول ہو تو یہی خرچ اجر و ثواب کا ذریعہ ہوگا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے۔

عن جابر بن سمرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اعطی اللہُ احدکم خیرًا فلیبدأ بنفسہٖ واھلِ بیتہٖ[1]

حضرت جابرؓ بن سمرة سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو اللہ تعالیٰ مال دے تو پہلے اپنے اوپر خرچ کرے اور اپنے گھر والوں پر۔

دوسری حدیث مبارکہ یوں ہے۔

اِذا انفق المُسلم نفقةً علیٰ اھلہٖ وھو یحتسبھا کانت لہٗ صَدَقَةً[2]

جب مسلمان اپنی بیوی بچوں پر کارِ ثواب سمجھ کر خرچ کرتا ہے تو وہ اس کے لیے صدقہ ہو جاتا ہے۔

انفاق فی سبیل اللہ خالقِ کائنات کی بارگاہ میں اہم حیثیت کا حامل ہے اور یہ شرفِ قبولیت کے لحاظ سے اور اجر و ثواب کے نقطہ نظر سے اپنی منفرد خصوصیت رکھتا ہے کیونکہ یہ خالصتاً اللہ تعالیٰ کی محبت اور خوشنودی کے حصول کے لیے کیا جاتا ہے لیکن پیغمبرِ خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے انفاق فی سبیل اللہ کے مقابلے میں اپنے اہل و عیال پر خرچ کرنے کو اجر و ثواب کے لحاظ

---

[1] مشکوٰة المصابیح، جلد دوم، باب النفقات وحق المملوک ص ۱۱۶

[2] صحیح بخاری شریف، جلد سوم، کتاب النفقات ص ۱۶۵، مطبع سعیدی کراچی۔

سے زیادہ افضل قرار دیا ہے۔

عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دینار انفقتہ فی سبیل اللہ ودینار انفقتہ فی رقبۃ ودینار تصدقت بہ علی مسکین ودینار انفقتہ علی اھلک اعظمھا اجرا الذی انفقتہ علی اھلک [1]

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ایک دینار وہ ہے جس کو تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتا ہے جس کو گردن آزاد کرانے میں خرچ کرتا ہے ایک دینار وہ ہے جس کو تو مسکین پر صدقہ کرتا ہے۔ ایک دینار وہ ہے جس کو تو اپنے گھر والوں پر خرچ کرتا ہے۔

اسلامی نقطۂ نظر سے ناجائز مصارف پر مال و دولت خرچ کرنے کی بجائے جائز مصارف پر خرچ کرنا بھی باعث اجر و ثواب ہے۔ کیونکہ مال و دولت اللہ تعالیٰ کی مقدس امانت ہے اور امانت کا تقاضا ہے کہ اس کو اس جگہ خرچ کیا جائے جہاں اللہ تعالیٰ کی منشا اور مرضی ہو۔ گویا اللہ تعالیٰ کی رضا و منشا کے مطابق خرچ کرنا بھی صدقہ ہے تو اس لحاظ سے ایک مسلمان کا کوئی جائز خرچ ایسا نہیں ہو سکتا جو اجر و ثواب کے لحاظ سے صدقہ کے قائمقام نہ ہو جاتا ہو۔ اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

کل معروف صدقۃ [2] ہر ایک نیکی صدقہ ہے۔

اسلام میں صدقہ کی وسیع الدامنی کا یہ حال ہے کہ ایک مسلمان کا ہر قول، فعل اور عمل جس سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو فائدہ پہنچے۔ وہ صدقہ ہے۔

عن ابی موسی الاشعریؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی کل مسلم صدقۃ قالوا فان لم یجد قال فلیعمل بیدیہ

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح، جلد اول، باب افضل الصدقۃ ص ۱۹۴

[2] صحیح بخاری شریف، جلد سوم، کتاب الآداب ص ۳۶۷

فینفع نفسہٗ ویتصدّق قالوا فان لم یستطع اولم یفعل قال فیعین ذا الحاجۃ الملھوف قالوا فان لم یفعلہ قال فیامر بالخیر قالوا فان لم یفعل قال فیمسک عن الشر فانہٗ لہ صدقۃ[۱]

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مسلمان آدمی کے لیے صدقہ لازم ہے صحابہؓ نے عرض کیا اگر وہ کچھ نہ پائے فرمایا اپنے ہاتھوں سے کام لے اور اپنے نفس کو نفع پہنچائے اور صدقہ کرے صحابہؓ نے عرض کیا اگر اس کی طاقت نہ رکھے یا ایسا نہ کر سکے فرمایا کسی ضرورت مند غمگین شخص کی اعانت کرے صحابہؓ نے عرض کیا اگر وہ ایسا نہ کر سکے فرمایا نیکی کا حکم دے صحابہؓ نے عرض کیا اگر وہ ایسا نہ کرے فرمایا وہ خود بُرائی سے رُک جائے یہ اس کے لیے صدقہ ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقے کا حکم دیا۔

فقال رجلٌ یا رسول اللہ عندی دینارٌ فقال تصدّق بہ علی نفسک قال عندی اٰخر قال تصدق بہٖ علی ولدک قال عندی اٰخر قال تصدّق بہٖ علی زوجتک او زوجک قال عندی اٰخر قال تصدّق بہٖ علی خادمک قال عندی اٰخر قال انت ابصر[۲]

ایک شخص نے کہا اے اللہ کے رسولؐ میرے پاس ایک دینار ہے آپؐ نے فرمایا وہ اپنے کام میں لاؤ وہ شخص بولا ایک اور دینار ہے آپؐ نے فرمایا اپنے بیٹے کو دے دو۔ وہ بولا ایک اور دینار ہے آپؐ نے فرمایا اپنی بیوی کو دے دو ۔ وہ بولا ایک اور دینار ہے آپؐ نے فرمایا وہ اپنے خادم کو دے دو۔ وہ بولا ایک اور دینار ہے آپ نے فرمایا تو خود بہتر جانتا ہے ۔

---

[۱] مشکوٰۃ المصابیح ، جلد اول ، باب فضل الصدقہ ص ۱۱۴

[۲] سنن ابی داؤد ، جلد اول ، باب فی صلۃ الرحم ص ۶۳۱ ، مطبع سعیدی کراچی ۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا اپنی ذات پر خرچ کرنا بھی صدقہ میں شمار ہوتا ہے اور خرچ کا آغاز اپنی ذات سے ہونا چاہیے کیونکہ اس کو کمانے اور حاصل کرنے میں اُسی کی توانائیاں خرچ ہوئی ہیں۔ اپنی ضروریات کے بعد ان افراد پر خرچ کرنا چاہیے جن کی ترتیب و پرورش اور حفاظت و نگہداشت کی عظیم ذمہ داری وہ اٹھائے ہوئے ہے۔

عن ابی ھریرۃؓ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال خیر الصدقۃ مَا کان عن ظھر غنیً وَابدأ بمن تعول [1]

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین صدقہ وہ ہے جس سے صدقہ دینے والے کی مال داری قائم رہے اور ان لوگوں سے سے آغاز کرو جو تمہارے زیر پرورش ہیں۔

معاشرے کے استحکام کے لیے انفاق

اسلام جس سوسائٹی اور معاشرے کی تشکیل کا خواہش مند ہے اس میں ہر فرد دوسرے فرد کا سہارا ہے تمام افراد کو ایک کُنبے کی مانند زندگی بسر کرنے کی تعلیم دی گئی ہے ایک دوسرے سے بے نیازی اور بے تعلقی بجائے باہمی تعاون و تعلق کو فروغ دینا اسلامی معاشرے کا بنیادی اُصول ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

المومن للمومن کالبنیانِ یَشد بعضہ بعضًا ثم شبّک بَین اصابعہ [2]

مسلمان مسلمان کے لیے دیوار کی مانند ہے کہ اس کا بعض کو مضبوط کرتا ہے پھر آپؐ نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کیں۔

اسلامی معاشرے کا ہر فرد ایک دوسرے سے کٹ نہیں سکتا۔ بعد نہیں قرب اور صلہ رحمی سے

---

[1] صحیح بخاری شریف، جلد سوم، باب وجوب النفقۃ علی الاہل والعیال ص ۱۶۶

[2] مشکوٰۃ المصابیح، جلد دوم، باب الشفقہ والرحمۃ علی الخلق ص ۴۴۵

اس کا خمیر اٹھایا گیا ہے۔ محروم رکھنا نہیں بلکہ نوازنا اور عطا کرنا اس معاشرے کی مضبوطی واستواری کی شرط ہے۔ نفرت اور بے زاری نہیں بلکہ محبّت وہمدردی کو اس کی تقویت کا سامان بنایا گیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ترى المؤمنين فى تراحمهم وتوادهم وتعاطفهم كمثل الجسد اذا اشتكى عضوًا تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمّٰى ۱؎

تو ایمانداروں کو آپس کی رحمت، محبّت اور مہربانی میں ایک جسم کی مانند دیکھے گا جب کسی عضو کو تکلیف پہنچتی ہے تمام بدن کے اعضاء بیداری اور تپ کو بلاتے ہیں۔

اسلامی معاشرے کا ہر فرد گہرے ایمانی رشتے میں دوسرے افراد کے ساتھ پیوست ہے ان کے دل کسی مادی بندھن کے تابع نہیں بلکہ ایمان کی بنیادوں پر اُن کے درمیان اٹوٹ تعلق استوار ہوتا ہے۔ اس معاشرے میں دوسرے مسلمانوں کے بارے میں ایک مسلمان کا رویہ اس حدیث نبوی سے واضح ہوتا ہے۔

المسلم اخو المسلم لايظلمه ولايسلمه ۲؎

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس کی مدد چھوڑتا ہے۔

چنانچہ اسلامی معاشرے میں ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا حق قرار دیا گیا ہے اس میں اپنے پرائے کی تمیز نہیں۔ البتہ انسان کی فطرت کو نظر انداز نہیں کیا گیا کہ وہ قرابت کے رشتوں کو اہمیت دیتا ہے۔ اسلام نے انسان کی اس فطرت کو صحیح راستے پر لگا دیا ہے اور تمام مسلمانوں کو قریب ترین رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی میں ترجیح کی تلقین کی ہے۔ مسلمان عطاء و نوازش کا مظاہرہ کرے تو قریب ترین اہل سے اس کا آغاز کرے۔ یوں فطری دائرے سے پھیلتے ہوئے پوری سوسائٹی کو سیراب کرتے جائیں گے اور اس کے سارے عمل میں کوئی بار محسوس نہیں ہوگا۔ اس عمل میں ترجیحات کی فطری ترتیب میں سرفہرست والدین کا

۱؎ مشکوٰۃ المصابیح، جلد دوم، باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق ص ۴۴۵

۲؎ ایضاً ص ۴۴۶

حق رکھا گیا ہے۔ قرآن مجید میں متعدد مقدمات پر اُن کی تفصیل دی گئی ہے۔ سورۃ النساء میں ارشاد ربانی ہے۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا [۱]

اور تم سب لوگ اللہ کی بندگی کرو اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ ماں باپ کے ساتھ برتاؤ کرو۔ قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حُسنِ سلوک سے پیش آؤ اور پڑوسی رشتہ دار سے، اجنبی ہمسایہ سے، پہلو کے ساتھی اور مُسافر سے اور اُن لونڈی غلاموں سے جو تمہارے قبضہ میں ہوں احسان کا معاملہ رکھو یقین جانو اللہ کسی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو اپنے پندار میں مغرور ہو اور اپنی بڑائی پر فخر کرے۔

اسلامی معاشرے میں خدا کی عبدیت کے تقاضوں کی تکمیل کے ساتھ انسان کو اپنے قریب ترین ماحول میں عظیم ترین رشتے یعنی والدین کے حقوق کی ادائیگی کا پابند خود شریعت نے بنایا ہے۔ والدین اولین اور اہم ترین تمدنی ادارے، خاندان کے سب سے زیادہ قابلِ قدر اور لائق التفات ممبر ہیں۔ اولاد کی یہ بہت بڑی سعادت مندی اور خوش بختی ہے کہ وہ والدین کو آرام و راحت پہنچائے۔ ان کی اطاعت و خدمت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھے۔ ان کی دلجوئی اور خوشنودی کے لیے خدا کی فرمانبرداری کے دائرے میں سب کچھ کرے۔ اُن کی ضروریات کو ان کے طلب کرنے سے پہلے پُورا کرے۔ ظاہر ہے کہ والدین کے حقوق پُورے کرنے میں مال و دولت بھی خرچ کرنا پڑتا ہے چنانچہ ہر مسلمان کے مال میں اس کے والدین کا حق فائق ہے۔

عن ابی امامۃؓ انّ رجلاً قالَ یا رسول اللہ مَا حق الوالدین علی ولدھما قالَ ھما جنّتکَ وَ نارکَ [۲]

---

[۱] سورہ النساء : ۳۶

[۲] مشکوٰۃ المصابیح، جلد دوم، باب البرّ والصلۃ ص ۴۳۴

حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول ماں باپ کا اولاد پر کیا حق ہے۔ آپ نے فرمایا وہ دونوں تیری جنت اور دوزخ ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک سے معلوم ہوجاتا ہے کہ والدین کی خدمت کر کے تم جنت کے حق دار ہو سکتے ہو اور ان کی نافرمانی اور ایذا رسانی سے دوزخ کا ایندھن بن سکتے ہو۔ والدین جب اولاد کی پرورش و ترتیب کا کٹھن مرحلہ طے کر رہے ہوتے ہیں تو اولاد کی ضرورتیں اور تقاضے پھیل رہے ہوتے ہیں۔ والدین کے پُرشفقت جذبے اولاد کی وسیع ضروریات اور تقاضوں سے نالاں نہیں ہوتے بلکہ اولاد کی خواہشات کی تکمیل والدین کی خوشیوں میں اضافہ کرتی ہے۔ اس کے برعکس جب اولاد کی طرف سے والدین کے حقوق پورے کرنے کا وقت آتا ہے تو وہ بڑھاپے کی منزل پر گامزن ہوتے ہیں۔ ان کی ضروریات روٹیوں اور تن ڈھانپنے کے کپڑوں تک آجاتی ہیں۔ اولاد اگر اپنی کمائی سے ان محدود حاجتوں کو بھی پورا نہ کر سکے تو گویا سعادت و نیک بختی سے بالکل عاری ہے۔ ایسی ہی اولاد کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم رغم انفہٗ رغم انفہٗ رغم انفہٗ قیل من یا رسول اللّٰہ قالَ من ادرکَ والدیہ عند الکبرِ احدھُما اَو کلاھُما ثُمّ لم یدخُل الجنّۃَ [1]

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اسکی ناک خاک آلودہ ہو اس کی ناک خاک آلودہ ہو اس کی ناک خاک آلودہ ہو صحابہؓ نے عرض کیا کس کی یا رسول اللہ فرمایا جو اپنے ماں باپ دونوں میں سے کسی ایک کو بڑھاپے کی عمر میں پاتا ہے پھر (ان کی خدمت کر کے) جنت میں داخل نہ ہو۔

اسلامی معاشرے کو مضبوط و استوار بنیادوں پر کھڑا کرنے کے لیے قرآن مجید اور حدیث نبوی میں لامحدود تعداد میں ہدایات موجود ہیں۔ قرآن مجید میں ایک مقام پر مال و دولت خرچ کرنے کے

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح، جلد دوم، باب البرّ والصلۃ ص ۳۴۴

متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر یوں ارشاد ہوا :

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ط قُلْ مَا اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ط وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ [1]

لوگ پوچھتے ہیں ہم کیا خرچ کریں جواب دو کہ جو مال بھی تم خرچ کرو اپنے والدین پر، رشتہ داروں پر، یتیموں پر اور مسکین اور مسافروں پر خرچ کرو اور جو بھلائی بھی تم کرو گے اللہ اس سے باخبر ہوگا۔

شیخ عبدالحق حقانی اس آیت مبارکہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس کا شان نزول یہ ہے کہ عمرو بن جموح ایک عمر رسیدہ اور بڑا مالدار شخص تھا اُس نے آکر آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ یا حضرت ہم اپنا مال کس کو دیں تب یہ آیت نازل ہوئی کہ سب سے پہلے ماں باپ کا حق ہے پھر اور اقارب پھر یتیم اور فقیر اور مسافر کو دینا۔ ماذا ینفقون کے معنی بعض علماء یہ کہتے ہیں کونسا مال خرچ کریں یہ سوال تھا۔ خدا پاک نے اس کا جواب بھی ضمناً من خیر کے ساتھ دے دیا کہ فائدہ کی چیز ہو خواہ کپڑا ہو، خواہ اناج ہو، خواہ نقد ہو اور اس کے ساتھ مال کے مصارف بیان کر دیے اور آخر میں عموماً ہر کسی کے ساتھ بھلائی کرنے کے لیے ایک جملہ وما تنفقوا من خیر فان اللہ بہ علیم ایسا کہہ دیا جو سب کو شامل ہے۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ اس آیت کا حکم آیت میراث سے، جو آگے آتی ہے منسوخ ہوگیا یعنی یہ حکم والدین اور اقارب کو دینے کا اس وقت تک تھا جب تک ان کے حصّے میراث میں قائم نہ ہوئے تھے۔ جمہور محققین فرماتے ہیں یہ قول غلط ہے اس لیے کہ یہ حکم اپنی زندگی میں بطور خیرات کے دینے کے لیے اس کو میراث سے کیا تعلق۔ نیز جس طرح مسافروں اور یتیموں کو بتر غاب دینے کا حکم ہے اسی طرح اپنی زندگی میں ماں باپ اور اقارب کے ساتھ ہر ایک قسم کے سلوک کرنے کا حکم بھی ہنوز باقی ہے [2]

---

[1] سورۃ البقرہ : ۲۱۵

[2] تفسیر حقانی، شیخ عبدالحق حقانی، جلد اول ص ۲۰۶، مکتبہ الحسن لاہور

عزیز و اقارب

ایک مسلمان کے مال پر ماں، باپ اور بیوی بچوں کے بعد سب سے زیادہ حق قریبی رشتہ داروں کا ہے، ان میں مفلس بھائی بہن، والدین کی طرف سے قریبی رشتہ رکھنے والے عسرت و تنگی کا شکار افراد یا سسرالی قرابت رکھنے والے مفلوک الحال اور ضرورت مند لوگ شامل ہیں۔ رضاعی تعلق رکھنے والے غریب لوگوں کا بھی خوشحال مسلمان پر حق بنتا ہے۔ انسان فطرتاً خویش پرور واقع ہوا ہے اسے اپنے رشتہ داروں سے ہمدردی زیادہ ہوتی ہے۔ چنانچہ اسلام نے اس جذبے کی بنیاد پر باہمی تعاون و دستگیری کے رویّوں کو پائدار بنانے کے لیے اصولی طور پر یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ قریبی رشتہ دار کا حق باقی لوگوں سے بڑھ کر ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

الصدقة على المسكين صدقة وهي على ذي الرحم ثنتان صدقة وصلة [1]

مسکین کو صدقہ دینا تو صرف صدقہ ہے اور رشتہ دار کو دینے میں دو باتیں ہیں صدقہ اور صلہ رحمی۔

اس حدیث مبارکہ سے دو باتیں منکشف ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ اسلام صدقات و خیرات میں قرابت داروں کو اوروں کی نسبت زیادہ ترجیح دیتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اسلام کو صلہ رحمی سے گہری دلچسپی ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ رشتہ داریاں مضبوط اور استوار بنیادوں پر قائم ہوں تاکہ صاحب استطاعت لوگ اپنے مفلس اور نادار رشتہ داروں کی حتی الوسع مالی اعانت کرنے میں مصروف ہو جائیں تو کافی مفلس افراد قرابت کی بنیاد پر اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے قابل ہو جائیں گے۔

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر معاشرے کے استحکام کی خاطر راہنما اصول بیان کئے گئے ہیں ان میں سے ایک کے متعلق ارشاد ہے:

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ

---

[1] جامع ترمذی، جلد اول، باب ما جاء فی الصدقة علی ذی القرابة ص ۳۳۹ مطبع سعیدی کراچی

عَنِ الفَحشَاءِ والمنکَرِ وَالبَغیِ یعِظُکم لَعَلَّکُم تَذَکَّرُون[1]

اللہ عدل اور احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور بدی و بے حیائی اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم سبق لو۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس مختصر سے فقرے میں تین ایسی چیزوں کا حکم دیا گیا ہے جن پر پورے انسانی معاشرے کی درستی کا انحصار ہے۔

پہلی چیز عدل ہے جس کا تصوّر دو مستقل حقیقتوں سے مرکب ہے ایک یہ کہ لوگوں کے درمیان حقوق میں توازن اور تناسب قائم ہو۔ دوسرے یہ کہ ہر ایک کو اس کا حق بے لاگ طریقہ سے دیا جائے اُردو زبان میں اس مفہوم کو لفظ "انصاف" سے ادا کیا جاتا ہے مگر یہ لفظ غلط فہمی پیدا کرنے والا ہے۔ اس سے یہ تصوّر پیدا ہوتا ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان حقوق کی تقسیم نصف نصف کی بنیاد پر ہو اور پھر اسی سے عدل کے معنی مساویانہ تقسیم حقوق کے سمجھ لیے گئے ہیں جو سراسر فطرت کے خلاف ہے۔ دراصل عدل جس چیز کا تقاضا کرتا ہے وہ توازن اور تناسب ہے نہ کہ برابری بعض حیثیتوں سے تو عدل بے شک افراد معاشرہ میں مساوات چاہتا ہے مثلاً حقوق شہریت میں۔ مگر بعض دوسری حیثیتوں سے مُساوات بالکل خلافِ عدل ہے مثلاً والدین اور اولاد کے درمیان معاشرتی و اخلاقی مساوات اور اعلیٰ درجے کی خدمات انجام دینے والوں اور کم تر درجے کی خدمت ادا کرنے والوں کے درمیان معاوضوں کی مساوات۔ پس جس چیز کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے وہ حقوق میں مساوات نہیں بلکہ توازن و تناسب ہے اور اس حکم کا تقاضا یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کے اخلاقی، معاشرتی، معاشی، قانونی اور سیاسی و تمدنی حقوق پُوری ایمانداری کے ساتھ ادا کیے جائیں۔

دوسری چیز ہے احسان جس سے مُراد ہے نیک برتاؤ، فیاضانہ معاملہ، ہمدردانہ رویہ رواداری، خوش خلقی، درگزر، باہمی مراعات، ایک دوسرے کا پاس و لحاظ، دوسرے کو اس کے حق سے کچھ زیادہ دینا اور خود اپنے حق سے کچھ کم پر راضی ہو جانا۔ یہ عدل سے زائد ایک چیز ہے

---

[1] سورۃ النحل: ۹۰

جس کی اہمیت اجتماعی زندگی میں عدل سے بھی زیادہ ہے۔ عدل اگر معاشرے کی اساس ہے تو احسان اس کا جمال اور کمال ہے۔ عدل اگر معاشرے کو ناگواریوں اور تلخیوں سے بچاتا ہے تو احسان اس میں خوشگواریاں اور شیرینیاں پیدا کرتا ہے کوئی معاشرہ صرف اس بنیاد پر کھڑا نہیں رہ سکتا کہ اس کا ہر فرد ہر وقت ناپ تول کر کے دیکھتا رہے کہ اس کا کیا حق ہے اور اسے وصول کر کے چھوڑے اور دوسرے کا کتنا حق ہے اور اسے بس اتنا ہی دے دے۔ ایسے معاشرے میں کشمکش تو نہ ہوگی مگر محبت اور شکر گزاری اور عالی ظرفی اور ایثار اور اخلاص و خیر خواہی کی قدروں سے محروم رہے گا جو دراصل زندگی میں لطف و حلاوت پیدا کرنے والی اور اجتماعی محاسن کو نشو و نما دینے والی قدریں ہیں۔

تیسری چیز جس کا اس آیت میں حکم دیا گیا ہے صلہ رحمی ہے جو رشتہ داروں کے معاملے میں احسان کی ایک خاص صورت متعین کرتی ہے۔ اس کا مطلب صرف یہی نہیں ہے کہ آدمی اپنے رشتہ داروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے اور خوشی و غمی میں ان کا شریک حال ہو اور جائز حدود کے اندر ان کا حامی و مددگار بنے۔ بلکہ اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ ہر صاحب استطاعت شخص اپنے مال پر صرف اپنی ذات اور اپنے بال بچوں ہی کے حقوق نہ سمجھے بلکہ اپنے رشتہ داروں کے حقوق بھی تسلیم کرے۔ شریعت الٰہی ہر خاندان کے خوشحال افراد کو اس امر کا ذمہ دار قرار دیتی ہے کہ وہ اپنے خاندان کے لوگوں کو بھوکا ننگا نہ چھوڑیں۔ اس کی نگاہ میں ایک معاشرے کی اس سے بدتر کوئی حالت نہیں ہے کہ اس کے اندر ایک شخص عیش کر رہا ہو اور اسی کے خاندان میں اس کے اپنے بھائی روٹی کپڑے تک محتاج ہوں۔ وہ خاندان کو معاشرے کا اہم عنصر ترکیبی قرار دیتی ہے اور یہ اصول پیش کرتی ہے کہ ہر خاندان کے غریب افراد کا پہلا حق اپنے غریب رشتہ داروں کا ہے۔ پھر دوسروں کے حقوق اُن پر عائد ہوتے ہیں۔ یہی بات ہے جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مختلف ارشادات میں وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ متعدد احادیث میں اس کی تصریح ہے کہ آدمی کے اولین حقدار اس کے والدین اس کے بیوی بچے اور اس کے بھائی بہن ہیں پھر وہ جو اُن کے بعد قریب تر ہوں اور پھر وہ جو ان کے بعد قریب تر ہوں اور یہی اصول ہے جس کی بنا پر حضرت عمرؓ نے ایک یتیم بچے کے چچازاد بھائیوں کو مجبور کیا کہ وہ اس کی پرورش کے ذمہ دار ہوں اور ایک دوسرے یتیم کے حق میں فیصلہ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ اگر اس کا کوئی بعید ترین رشتہ دار بھی موجود ہوتا تو میں اس پر اس کی پرورش لازم کر دیتا۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جس معاشرے کا

ہر واحدہ (unit) اس طرح اپنے اپنے افراد کو سنبھال لے۔ اس میں معاشی حیثیت سے کتنی خوشحالی معاشرتی حیثیت سے کتنی حلاوت اور اخلاقی حیثیت سے کتنی پاکیزگی و بلندی پیدا ہو جائے گی[1]

پڑوسی عزیز و اقارب کے حقوق کے بعد اسلام نے پڑوسیوں اور ہمسایوں کا حق رکھا ہے۔ اسلام ان کو ادا کرنے پر بہت زور دیتا ہے۔ پڑوسی کے متعلق حدیث نبوی ہے۔

عن عائشة رضی الله عنها عن النبی صلی الله علیه وسلم قال ما زال یوصینی جبریل بالجار حتی ظننت انه سیورثه[2]

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرائیل علیہ السلام پڑوسی کے لیے مجھے برابر وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے خیال ہوا کہ اُس کو وارث بنا دیں گے۔

قرآن مجید میں پڑوسیوں کی تین قسموں کا ذکر آیا ہے۔ ایک تو رشتہ دار پڑوسی ہے۔ دوسرا اجنبی ہمسایہ اور تیسرا وہ پڑوسی جس کے ساتھ کبھی بیٹھنے یا چلنے کا اتفاق ہوا ہو۔ تینوں قسم کے ہمسایوں کو اللہ تعالیٰ نے حسنِ سلوک، ہمدردی اور مالی تعاون اور معاشرتی سہارا مہیا کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

عن ابی هریرةؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم والله لا یؤمن والله لا یؤمن والله لا یؤمن قیل من یا رسول الله قال الذی لا یامن جاره بوائقه[3]

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا خدا کی قسم بندہ مومن نہیں ہوتا، خدا کی قسم بندہ مومن نہیں ہوتا۔ خدا کی قسم بندہ مومن نہیں ہوتا۔ کہا گیا اے اللہ کے رسولؐ کون؟ فرمایا جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے محفوظ نہ ہو۔

---

[1] تفہیم القرآن للمودودی، جلد دوم ص ۵۶۴ - ۵۶۶، مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور

[2] صحیح بخاری شریف، جلد سوم، کتاب الآداب ص ۳۶۵

[3] مشکوٰۃ المصابیح، جلد دوم، باب الشفقة والرحمة علی الخلق ص ۴۷۴

ایک اور حدیث میں آپ نے فرمایا :

لیس المؤمن بالذی یشبع وجارہ جائعٌ الی جنبہ [۱]

وہ شخص صاحب ایمان نہیں ہو سکتا جو خود تو پیٹ بھر کر کھائے مگر اُس کا پڑوسی قریب میں بھوکا رہ جائے۔

عن عقبۃ بن عامرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اول خصمین یوم القیٰمۃ جاران [۲]

حضرت عقبہؓ بن عامر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن جن دو آدمیوں کا معاملہ اللہ کے حضور سب سے پہلے پیش ہوگا وہ دو جھگڑنے والے دو ہمسائے ہوں گے۔

ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

لا تحقرنّ جارۃٌ لجارتھا ولو شقّ فرسن شاۃٍ [۳]

کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کو ہدیہ و تحفہ بھیجنے کے عمل کو حقیر نہ جانے خواہ وہ بکری کی کھری کا ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو۔

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پڑوسی کا حق بہت بڑا حق ہے۔ وہ ہمارے مال و دولت کے اسی طرح مستحق ہیں جس طرح قریبی رشتہ دار۔ وہ تنگ دست اور مفلس ہوں تو اُن کا حق بنتا ہے کہ اپنے اموال سے ان کی مفلسی کو دور کیا جائے۔

مساکین

قرآن مجید میں مسکین کے حق کی ادائیگی کو بہت بڑی نیکی اور اس کے حق سے چشم پوشی کو بہت بڑی شقاوت و بدبختی بتایا گیا ہے۔ وہ لوگ جو انہیں کھانا نہیں کھلاتے اور ان کے سوال کو جھڑک دیتے ہیں ایسے آدمیوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

---

[۱] مشکوٰۃ المصابیح، جلد دوم، باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق ص ۴۵۲

[۲] ایضاً ص ۴۵۴

[۳] ایضاً ، باب العطایا ص ۵۳

عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الساعی علی الارملۃ والمسکین کالمجاھد فی سبیل اللہ [1]

حضرت ابوہریرہؓ سے روایات ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مسکین اور بیواؤں کے لیے دوڑ دھوپ کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے۔

عن اُمّ بُجیدٍ قالت قلت یا رسول اللہ انّ المسکین لیقف علی بَابی حتّٰی اَستحی فلا اَجد فی بیتیِ مَا ادفع فی یدہٖ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادفعی یدہٖ ولو ظلفًا محرقًا [2]

حضرت اُمِّ بجیدؓ سے روایت ہے کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول مسکین میرے دروازے پر آکر کھڑا ہوتا ہے میں شرم محسوس کرتی ہوں کیونکہ میرے پاس اس کو دینے کے لیے کچھ نہیں ہوتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو کچھ دے دیا کر و اگرچہ جلا ہوا کُھر ہی کیوں نہ ہو۔

مسکینی فقط فقیرانہ شکل وصورت کا نام نہیں جیسا کہ موجودہ دور میں سمجھا جاتا ہے۔ مسکین صاحب ضمیر اور خود دار آدمی ہوتا ہے۔ عام حالات میں ان کی حمیت دست سوال دراز کرنے کی اجازت نہیں دیتی لیکن حالات کی خرابی نے انہیں مجبور کیا ہوتا ہے۔ نہ تو اس کی خودداری اُسے کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کی اجازت دیتی ہے اور نہ اس کی ظاہری حالت ایسی ہوتی ہے کہ کوئی اس کی ضروریات کو جان کر اعانت کی پیش کش کرے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکین کی تعریف یوں بیان فرمائی:

المسکین الذی لایجد غنی یغنیہ ولا یفطن لہ فیتصدّق علیہ ولا یقوم فیسئال النّاس [3]

مسکین وہ ہے جو اپنی حاجت بھر مال نہیں پاتا اور نہ پہچانا جاتا ہے کہ اس کی مدد کی جائے

---

[1] صحیح بخاری شریف، جلد سوم، باب فی حق المملوک ص ۶۴۶

[2] مشکوٰۃ المصابیح، جلد اول، باب الانفاق وکراھیۃ الامساک ص ۴۰۷

[3] تفہیم القرآن، جلد دوم، ص ۲۰۵

اور نہ کھڑا ہو کر لوگوں سے مانگتا ہے۔

یعنی فلاکت اور شرافت دو اس میں موجود ہوتی ہیں۔ فلاکت اسے استقامت پر مجبور کرتی ہے اور شرافت ضروریات کا ذکر کرنے سے مانع ہوتی ہے۔

یتامیٰ مسلمان کے مال میں یتامیٰ کا حق ہے۔ یتیم پروری صرف اچھا کام ہی نہیں بلکہ ایک بڑا فریضہ ہے۔ وہ شخص کسقدر سنگدل اور سفاک ہے جس کے قلب میں یتیم کے لیے شفقت و رحمت کا جذبہ موجزن نہ ہو۔ قرآن مجید میں ایسے شخص کو احساس آخرت سے بالکل عاری بتایا گیا ہے جو یتیم سے بدسلوکی کرتا ہے اور اسے دھکے دیتا ہے: قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

اَرَاَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ ۝ فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ ۝ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ[1]

کیا تم نے اُس شخص کو دیکھا ہے جو آخرت کی جزا و سزا کو جھٹلاتا ہے؟ وہی تو ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھلانے کی ترغیب نہیں کرتا۔

سایہ پدری سے محروم افراد کے لیے پورا معاشرہ ان کے معاملات کا مسئول بنا دیا گیا ہے۔ سب کو ان کی نگہداشت اور پرورش و تربیت کا ذمہ وار ٹھہرایا گیا ہے۔ پورا معاشرہ ان کو شفقت و پیار مہیا کرنے کا پابند ہے۔ وہ شخص بڑا خوش بخت و سعید ہوگا جو یتیموں کی پرورش سنبھالے گا۔ یتیم کا وجود تو سنگدلوں کو موم بنا دیتا ہے۔ سخت سے سخت مزاج انسان یتیم کو دیکھ کر نرم خو بن جاتا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے۔

انّ رجلاً شکیٰ اِلی النبیّ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم قسوۃ قلبہٖ قال اَمسح رأس الیتیم واطعم المسکین[2]

ایک آدمی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے دل کی سختی کی شکایت کی آپؐ نے فرمایا یتیم کے سر پر دستِ شفقت رکھ اور مسکین کو کھانا کھلا۔

---

[1] سورۃ الماعون: ۱ - ۳

[2] مشکوٰۃ المصابیح، جلد دوم، باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق ص ۴۵۴

عن ابی ھریرۃؓ قَالَ قَالَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر بیتٍ فی المسلمین بیت فِیہ یتیمٌ یُحسن الیہ وَشرّ بیتٍ فی المسلمین بیتٌ فِیہ یتیمٌ یساءُ الیہ[1]

حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان گھرانوں میں بہترین گھروہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اُس کے ساتھ حسنِ سلوک کیا جاتا ہو اور بدترین گھرانا وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اُس کے ساتھ بُرا سلوک ہو رہا ہو۔

ایک اور حدیث نبویؐ ہے۔

عن سھل بن سعدٍ عن النبیّ صلی اللہ علیہ وسلّم قال انا وکافل الیتیم فِی الجنۃ ھکذا وقال بِاصبعَیہ السبّابۃ والوسطیٰ[2]

حضرت سہل بن سعدؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپؐ نے فرمایا کہ میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح (قریب) ہوں گے اور آپؐ نے سبابہ اور درمیانی انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے نزدیکی بتائی۔

عن ابن عباس قَالَ قَالَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم من اٰوی یتیمًا اِلیٰ طعامہٖ وشرابہٖ اَوجب اللہ لہٗ الجنّۃ البتّۃَ اِلاَّ اَن یعمَل ذنبًا لَایُغفر[3]

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی یتیم کو اپنے کھانے اور پینے کی طرف جگہ دے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت واجب کردیتا ہے مگر یہ کہ ایسا گناہ کرے جس کو بخشا نہیں جاتا۔

مسافر و مہمان اسلامی معاشرہ میں مسافروں کی ضروریات پوری کرنا، ان کے کھانے پینے کا انتظام اور سامانِ استراحت فراہم کرنا بہت بڑی نیکی ہے۔ معاشرے کا ہر فرد

۱؎ مشکوٰۃ المصابیح، جلد دوم، باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق ص ۴۲۸

۲؎ صحیح بخاری شریف، جلد سوم، کتاب الآداب ص ۳۶۲

۳؎ مشکوٰۃ المصابیح، جلد دوم، باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق ص ۴۲۹

اپنی استطاعت کے مطابق مسافر نوازی اور مہمان نوازی کا ذمہ دار بنایا گیا ہے۔ وہ شخص جو اپنے گھر اور گاؤں سے اپنے اہل خانہ سے جدا ہو کر سفر کی حالت میں کسی دوسرے شہر اور گاؤں میں وارد ہوا ہو تو وہ تو پوری بستی اور گاؤں کا مہمان قرار پاتا ہے۔ اس بستی اور گاؤں والوں کا فرض ہے کہ وہ اسے دیارِ غیر کا احساس نہ ہونے دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

من کان یؤمن باللّٰہ والیوم الاٰخر فلیکرم ضیفہ جائزتہ یوم ولیلۃ والضیافۃ ثلثۃ ایام فما بعد ذالک فھو صدقۃ ولا یحل لہ ان یثوی عندہ حتی یحرجہ[1]

جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے اپنے مہمان کی عزت کرنی چاہیے۔ اس کی پُر تکلف دعوت ایک دن اور ایک رات ہے اور تین دن اس کی مہمانی ہے۔ اس کے بعد خیرات ہے مہمان کے لیے جائز نہیں کہ اس کے پاس ٹھہرا رہے یہاں تک کہ اس کو تنگی میں ڈالے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق میزبان کو تین دن تک اپنے مہمان کی ضیافت کرنا ضروری ہے اور اس کے بعد کا قیام میزبان کے لیے خیرات وصدقہ ہوگا۔ مہمان کے لیے بھی ہدایت ہے کہ وہ اپنے میزبان کو تنگی اور تکلیف میں نہ ڈالے۔ ایک اور حدیث نبوی ہے۔

عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخیر اسرع الی البیت الذی یؤکل فیہ من الشفرۃ الی سنام البعیر[2]

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا برکت اس گھر میں جس میں کھانا کھلایا جائے بہت جلد آتی ہے جس طرح چھری اونٹ کی کوہان کو جلد کاٹ دیتی ہے۔

سائل اور محروم مسلمان کے مال و دولت میں سائل اور محروم لوگوں کا حق ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح، جلد دوم، باب الضیافۃ ص ۳۱۰

[2] ایضاً ص ۳۱۴

وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ ۝ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ[1]

جن کے مالوں میں سائل اور محروم کا ایک مقرر حق ہے ۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے اس آیت کریمہ کی تفسیر کے ضمن میں سائل اور محروم کی یوں تعریف لکھی ہے ۔ سائل سے مراد پیشہ ور بھیک مانگنے والا نہیں بلکہ وہ حاجت مند شخص ہے جو کسی سے مدد مانگے اور محروم سے مراد ایسا شخص ہے جو بے روزگار ہو یا روزی کمانے کی کوشش کرتا ہو مگر اس کی ضروریات پوری نہ ہوتی ہوں یا کسی حادثے یا آفت کا شکار ہو کر محتاج ہو گیا ہو یا روزی کمانے کے قابل ہی نہ ہو۔ ایسے لوگوں کے متعلق جب معلوم ہو جائے کہ وہ واقعی محروم ہیں تو ایک خدا پرست انسان اس بات کا انتظار نہیں کرتا کہ وہ اس سے مدد مانگیں بلکہ ان کی محرومی کا علم ہوتے ہی وہ خود آگے بڑھ کر ان کی مدد کرتا ہے ۔

حق پرست، صالح اور متقی انسانوں کا شیوہ نہیں کہ وہ سائلوں اور محروموں کو اپنے اموال میں سے ان کا حق ادا نہ کریں ۔ سائل کو عطا کرنا گویا اللہ تعالیٰ کو دینا ہے ۔ حدیث ہے ۔

عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انّ اللہ تعالیٰ یقول یوم القیٰمۃ یا ابن اٰدم استطعمتك فلم تُطعِمنی قال یا ربّ کیف اطعِمُكَ وَانت ربّ العٰلمین قالَ اَما علمتَ انّہٗ استطعَمَك عبدی فُلانٌ فلم تُطعِمہٗ اما عَلِمت انّكَ لواطعمتہٗ لوَجَدتَّ ذالك عِندی یا ابن اٰدم استسقیتُكَ فلم تسقنی قالَ یا ربّ کیف اسقیكَ وَ انتَ ربُّ العٰلمین قال استسقاك عبدی فلانٌ فلم تسقِہ اَما علمتَ انّك لوسقیتہٗ وجدتَ ذالكَ عندی[2]

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا اے ابن آدم میں نے تجھ سے کھانا مانگا تو نے مجھ

---

[1] سورہ المعارج : ۲۴ - ۲۵

[2] تفہیم القرآن للمودودی ، ششم ص ۹۰ - ۹۱

کو کھانا نہ کھلایا وہ کہے گا اے میرے پروردگار میں تجھے کس طرح کھانا کھلاتا تُو تو رب العالمین ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تجھے علم نہیں میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا طلب کیا تو نے اس کو کھانا نہ کھلایا کیا تجھ کو علم نہیں اگر تو اس کو کھانا کھلاتا تو اس کھانے کو میرے پاس موجود پاتا۔ اے ابن آدم میں نے تجھ سے پینے کے لیے پانی مانگا تو نے مجھ کو پانی نہ پلایا۔ بندہ کہے گا اے رب میں تجھے کیسے پلاتا کہ تو رب العالمین ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا اور تو نے اسے پانی نہ پلایا تھا کیا تجھے علم نہیں اگر تو اس کو پلاتا تو اسکو میرے پاس موجود پاتا۔

اسلامی شریعت نے بھیک مانگنا حرام قرار دیا ہے تاہم اسلام جس اخلاق کا درس دیتا ہے اس کا تقاضا یہ نہیں کہ اس قسم کے بھکاریوں کو دھتکار کر لوٹا دیا جائے تاہم امداد کے مستحق وہ سائلین و محرومین ہیں جن کی وضاحت ابتدا میں کی جا چکی ہے۔

غلام اور لونڈیاں

اسلام سے پہلے پوری دنیا میں غلامی کا قبیح سلسلہ رائج تھا۔ ان کے ساتھ جانوروں سے بدسلوک کیا جاتا۔ اسلام نے ان کو انسانی حقوق کا استحقاق بخشا۔ انکو عزت و وقار بخشا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غلاموں کو آزاد کرانے کے عمل کو نیکی قرار دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مالدار اور دولت مند صحابہ کرام نے اپنے مال و دولت کو غلاموں کی آزادی کے لیے خرچ کیا۔ قرآن مجید میں والدین، عزیز و اقارب، یتامیٰ، مساکین پڑوسیوں اور مسافروں کے حقوق کے ساتھ غلاموں اور لونڈیوں کے حقوق کا ذکر آیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا غلاموں کے بارے میں تاکیدی ارشاد ہے۔

اخوانکم جعلھم اللہ تحت ایدیکم فمن جعل اللہ اخاہ تحت یدیہ فلیطعمہ مما یاکل ولیلبسہ مما یلبس ولا یکلفہ من العمل ما یغلبہ فان کلفہ ما یغلبہ فلیعنہ علیہ [۱]

تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں اللہ نے ان کو تمہارے تحت کر دیا ہے۔ تو جس کا بھائی اسکے قبضے میں ہو اسے چاہیے کہ غلام کو وہیں سے کھلائے جہاں سے خود کھاتا ہے جو خود پہنے

---

[۱] مشکوٰۃ المصابیح، جلد دوم، باب النفقات وحق المملوک ص ۱۱۷

اسے بھی پہنائے اور اسے ایسے کام کی تکلیف نہ دے جو اس سے نہ ہو سکے اگر ایسے کام کی اسکو تکلیف دے جو اس سے نہیں ہو سکتا تو خود اس کی مدد کرے۔

اسلامی تحریک کی بدولت غلامی کا قبیح سلسلہ اگرچہ ختم ہو چکا ہے تاہم قرآن مجید اور حدیث نبوی میں اس گروہ انسانی کے متعلق وارد شدہ احکام کا اطلاق گھریلو ملازمین اور خادموں پر ہوتا ہے اس لحاظ سے گھریلو ذاتی ملازم اور خادم مستحق ہیں کہ ان کی مالی اعانت کے لیے مال و دولت خرچ کیا جائے اور انکے لباس و خوراک اور دوسری ضروریات و حاجات کو پورا کرنے کے لیے مناسب بندوبست کیا جائے۔

مقروض

معاشرے میں ایسے ضرورت مند اور حاجت مند افراد بھی پائے جاتے ہیں جن کی ضروریات قرض لیے بغیر پوری نہیں ہوتیں۔ ایسے مواقع پر صاحب حیثیت لوگوں کو چاہیے کہ قرض کے طور پر مالی مدد ضرور کریں۔ قرض لینے والے کے لیے ضروری ہے کہ مقررہ مدت میں قرض ادا کرنے کی کوشش کرے اور قرض خواہ کے لیے حکم ہے کہ اپنی رقم کی واپسی کے لیے سختی نہ کرے اور نرمی اور سہولت سے کام لے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ط وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ [1]

اگر قرض دار تنگ دست ہو تو اس کی حالت درست ہونے تک اسے مہلت دے دو اور اگر معاف کر دو تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اس کا فائدہ تم سمجھ سکتے ہو اگر کچھ علم رکھتے ہو۔

حضرت عمران رضی اللہ عنہ بن حصین سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من كان له على رجلٍ حقٌ فمن اخرهٗ كان لهٗ بكلّ يومٍ صدقةٌ [2]

جس شخص کا اپنے کسی بھائی پر حق ہو پھر وہ شخص اس کو مزید مہلت دے تو اس کے لیے ہر دن کے بدلہ میں صدقہ ہے۔

---

[1] سورۃ البقرۃ: ۲۸۰

[2] مشکوٰۃ المصابیح، جلد دوم، باب الافلاس والانظار ص ۳۲

عن ابی قتادۃؓ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من سرّہ ان ینجیہ اللّٰہ من کرب یوم القیٰمۃ فلینفس عن معسر او یضع عنہ[1]

حضرت ابو قتادہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو یہ بات پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن کی سختیوں سے نجات بخشے وہ محتاج کو مہلت دے یا اس کو معاف کر دے۔

اِن نظائر کی روشنی میں یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ مقروض کی تنگ دستی کو مدنظر رکھ کر قرض خواہ ادائیگی میں مہلت دے دے یا بالکل معاف کر دے تو اجر و ثواب کا مستحق ہوگا اور اگر قرض خواہ معاف نہ کرے اور مقروض ادا کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو دیگر اصحابِ حیثیت اس کی ادائیگی کے لیے دولت فراہم کرکے اُس کی نجات کا ذریعہ بنیں۔

انفاقِ فی سبیل اللہ کی عام اقسام

زکوٰۃ

اسلام معاشرے کے ضرورت مندوں، حاجت مندوں، معذور و محتاج، محروم المعیشت اور زندگی کی معاشی دوڑ میں پیچھے رہ جانے والے افراد کی مالی اعانت و کفالت کے لیے اہل ثروت اور دولت مندوں کو وعظ و نصیحت اور ترغیب و تلقین کے ذریعے ابھارنے اور آمادہ کرنے پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ ان کی معاونت و بحالی کے لیے مستقل اور پائیدار نظام تشکیل دیتا ہے جس کو نظامِ زکوٰۃ کہا جاتا ہے یہ زکوٰۃ نماز کے بعد اسلام کا سب سے بڑا رکن ہے جس کی رو سے ہر صاحبِ حیثیت مسلمان پر یہ فریضہ عائد کیا گیا ہے کہ وہ معاشرے کے ان ضرورت مندوں اور حاجت مندوں کی امداد کے لیے ہر سال اپنے مال و دولت سے ایک مقررہ حصہ اُن کو دیا کرے۔ اس مقدس فریضہ کی تحصیل و تقسیم کا انتظام اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو سونپا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح، جلد دوم، باب الافلاس والانظار ص ۲۸

وَصَلِّ علیھم[1]

(اے نبیؐ) ان کے اموال میں سے زکوٰۃ وصول کرو جو ان کو پاک کر دے اور ان کا تزکیہ کرے اور انہیں دُعا دیں۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ بن جبل کو جب یمن کی طرف روانہ فرمایا تو منجملہ ان احکام کے ایک حکم یہ بھی فرمایا:

انّ اللہ عزّوجلّ فرض علیھم صدقۃ تُوخذ عن اغنیاءھم فترد علی فقرائھم[2]

اللہ جلّ شانہٗ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو دولت مندوں سے لی جائے گی اور انہی کے ناداروں میں تقسیم کی جائے گی۔

مولانا مودودی نے زکوٰۃ کے متعلق بجا فرمایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

یہ مسلمانوں کی کوآپریٹو سوسائٹی ہے۔ یہ ان کی انشورنس کمپنی ہے یہ ان کا پراویڈنٹ فنڈ ہے۔ یہ ان کے بے کاروں کا سرمایہ اعانت ہے۔ یہ ان کے معذوروں، اپاہجوں، بیماروں، یتیموں، بیواؤں اور بے روزگاروں کا ذریعہ پرورش ہے۔ یہ اس بات کی ضمانت ہے کہ مسلم معاشرے میں کوئی شخص ضروریات زندگی سے محروم نہ رہے گا اور ان سب سے بڑھ کر یہ وہ چیز ہے جو مسلمان کو فکر فردا سے بالکل بے نیاز کر دیتی ہے[3]

قرآن مجید میں زکوٰۃ کی مدّ میں جمع ہونے والی دولت کے مصارف کی تفصیل یوں بیان ہوئی ہے:

إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِى الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ط فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ[4]

---

[1] سورۃ التوبہ: ۱۰۳

[2] سنن نسائی، جلد دوم، کتاب الزکوٰۃ ص ۸۲، مطبع حامد کمپنی لاہور

[3] معاشیات اسلام، مولانا مودودی ص ۱۳۲

[4] سورۃ التوبۃ: ۶۰

یہ صدقات تو دراصل فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہیں اور ان لوگوں کے لیے جو صدقات کے کام پر مامور ہوں اور ان کے لیے جن کی تالیف قلوب مطلوب ہو نیز یہ گردنوں کے چھڑانے اور قرضداروں کی مدد کرنے میں اور راہِ خدا میں اور مسافر نوازی میں استعمال کرنے کے لیے ہیں۔ ایک فریضہ ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور دانا و بینا ہے۔

قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیت کریمہ سے دو باتیں واضح ہوتی ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ صاحب حیثیت مسلمانوں سے جو مال و دولت زکوٰۃ کی شکل میں وصول کی جائے گی وہ انہی مصارف پر خرچ کی جائے گی جس کا ذکر آیت مذکورہ میں کیا گیا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ زکوٰۃ کی تحصیل و تقسیم اسلامی حکومت کے فرائض میں شامل ہے۔

دین حق کے غلبے کے لیے انفاق

ایک مومن پر لازم ہے کہ وہ اسلام کی سر بلندی اور اس کے غلبے کے لیے اپنی قیمتی جان و مال قربان کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہے۔ اسلام کی سچائی کو پھیلانے اور طاغوتی قوتوں کو نیچا دکھانے کے لیے جہاں اپنی اعلیٰ صلاحیتوں اور توانائیوں کو صرف کرنا پڑتا ہے وہاں راہِ حق کو اپنے لہو کی سُرخی سے سجانا پڑتا ہے لیکن اس منزل تک رسائی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک انفاق مال کے ذریعے اس کی راہوں کو ہموار نہ کیا جائے۔ قرآن مجید میں جہاد بالمال اور جہاد بالنفس کا ذکر ساتھ ساتھ آیا ہے۔ جہاد بالنفس دینِ حق کے لیے قربانی کی انتہا ہے تو جہاد بالمال اس کی ابتدا ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ [1]

---

[1] سورۃ الحجرات: ۱۵

حقیقت میں مومن تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے پھر انھوں نے
کوئی شک نہ کیا اور اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا وہی سچے لوگ ہیں۔

جو لوگ ایمان لا کر متاع دنیا سے محبت اور جینے کی تمنا سے مغلوب ہو جاتے ہیں وہ ان لوگوں کے مقام و مرتبہ کو کیسے پاسکتے ہیں جو اپنا مال و اسباب اور جانوں کا نذرانہ اللہ کی رضا کے لیے دینے سے دریغ نہیں کرتے چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ط فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً [1]

مسلمانوں میں سے وہ لوگ جو کسی معذوری کے بغیر گھر بیٹھے رہتے ہیں اور وہ جو اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرتے ہیں دونوں کی حیثیت یکساں نہیں ہے اللہ نے بیٹھنے والوں کی بہ نسبت جان و مال سے جہاد کرنے والوں کا درجہ بڑا رکھا ہے۔

پیغمبر اسلام کے جان نثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر آواز پر لبیک کہا۔ میدان جہاد کی طرف اپنی جانوں کو ہتھیلیوں پر رکھ کر بڑھے اور جہاد کی تیاری کے لیے اپنی زندگی بھر کی کمائی اور پونجی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نچھاور کر دی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ط وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ [2]

بخلاف اس کے رسول نے اور ان لوگوں نے جو رسول ﷺ کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی جان و مال سے جہاد کیا اور اب ساری بھلائیاں انہی کے لیے ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔

---

[1] سورۃ النساء : ۹۵

[2] سورۃ التوبہ : ۸۸

مجاہدینِ اسلام کی کامیابی و کامرانی کے لیے ضروری ہے کہ اُن کے پاس جو آلات حب زیرِ استعمال ہوں وہ پائدار ہوں جنگی نقطہ نظر سے نقائص اور خرابیوں سے بالکل مبرا ہوں اور اگر مجاہدین اسلام کے پاس ساز و سامان، جنگی اوزار و ہتھیار اور نقل و حرکت کے لیے سواری کے جانور مناسب مقدار میں موجود نہ ہوں تو دولت مند اور کشادہ دست مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی دولت سے ان کی ضروریات کی تکمیل کریں تاکہ وہ پورے اطمینان اور سکون سے دشمنانِ اسلام کے خلاف نبرد آزما ہو سکیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

عن ابی امامۃؓ عن النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم من لم یغز ولم یجھّز غازیًا او یخلف غازیًا فی اھلہ بخیرٍ اصابہ اللہ بقارعۃٍ قبل یوم القیٰمۃ [1]

حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص نے نہ خود جہاد کیا اور نہ مجاہد کو سامان مہیا کیا اور نہ مجاہد کے اہل و عیال کی نیک نیتی سے دیکھ بھال کی وہ قیامت کے دن سے پہلے سخت مصیبت و عذاب سے دوچار ہوگا۔

ایک دوسری حدیث ہے۔

قال رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل الصّدقات ظلّ فسطاطٍ فی سبیل اللہ ومنحۃ خادمٍ فی سبیل اللہ او طروقۃ فحلٍ فی سبیل اللہ [2]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام صدقات میں سے افضل صدقہ یہ ہے۔ اللہ کی راہ میں سایہ کے لیے سائبان لگا دینا اور اللہ کی راہ میں خدمت گار مہیا کر دینا یا نوجوان اونٹنی کو اللہ کی راہ میں پیش کر دینا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک سے جہاد بالمال کی کافی صورتوں کی طرف اشارہ

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح، جلد دوم، کتاب الجہاد ص ۲۱۶

[2] ایضاً ص ۲۱۷

کیا گیا ہے۔ جن میں سے مجاہدین کے لیے راستوں پر سائے کا انتظام، موسم کے لحاظ سے اشیاء خورد و نوش اور سامانِ استراحت کی سہولتوں کا فراہم کرنا، اسلحہ و بارود اٹھانے، کھانا پکانے اور تیمارداری کے لیے خادم مہیا کرنے اور جنگی سواری کے جانور فراہم کرنا شامل ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ مسعود میں اونٹ اور گھوڑے بہترین جنگی سواری کے جانور سمجھے جاتے تھے۔ پھر آپؐ کا نوجوان اونٹنی پیش کرنے کا فرمان عمدہ اور مضبوط سواری فراہم کرنے پر دلالت کرتا ہے۔ اس حدیثِ نبویؐ کی روشنی میں ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ جن افراد کو اللہ کریم نے دولت کی نعمت سے نوازا ہے ان کو چاہیے کہ وہ اسلام کے سپاہیوں کی جنگی ضروریات کو مدنظر رکھ کر ساز و سامان کی فراہمی کے لیے پوری فراخدلی سے مالی تعاون کا ایسا نمونہ پیش کریں جس سے صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کی عدیم المثال اور شاندار مالی قربانیوں کی یاد تازہ ہو جائے۔

عصرِ حاضر میں طاغوتی اور باطل قوتیں اسلام کو نیست و نابود کرنے اور اسے صفحۂ ہستی سے مٹانے کے درپے ہیں۔ جہاں کہیں اسلامی بیداری کی تحریک اٹھتی ہے یہ باطل قوتیں منظم طریقے سے اسکو پروان چڑھنے سے روک دیتی ہیں اور اس پر ایسی کاری ضرب لگاتی ہیں کہ ایک طویل مدت تک وہ سر اٹھانے کے قابل نہیں رہتی۔ ان شیطانی اور طاغوتی قوتوں کو ختم کرنے کے لیے جہاں مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق کی ضرورت ہے وہاں جہاد بالنفس اور جہاد بالمال وقت کا عین تقاضا ہے۔ اس مقصد کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے ایک مرکزی جہاد فنڈ کا ادارہ قائم کیا جائے جس میں صاحبِ حیثیت اور دولتمند افراد دل کھول کر عطیات جمع کرائیں۔ جہاد فنڈ سے اسلام کے سپاہیوں کی ایک جماعت کو ان باطل قوتوں کی سرکوبی کے لیے تیار کیا جائے۔

اس کی ایک ممکنہ صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اصحابِ ثروت اور خوشحال افراد انفرادی طور پر اپنے مال و دولت سے اجرت پرستوں کی شکل میں مجاہدین کو ان طاقتوں کے خاتمے کے لیے روانہ کریں جہاد بالمال کی اس صورت کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

عن عبد اللّٰہ بن عمروؓ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم
للغازی اجرہٗ وللجاعل اجرہٗ واجر الغازی[1]

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح، جلد دوم، کتاب الجہاد ص ۲۲۰۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓو سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جہاد کے لیے نکلنے والے کو اپنے جہاد کا اجر ملے گا اور جو شخص کسی کو اُجرت دے کر جہاد پر بھیجتا ہے تو اُسے اجرت دینے کا اجر بھی ملے گا اور جہاد کرنے والے کو جہاد کا اجر ملے گا۔

صدقات وخیرات

اسلام کے نزدیک نیکی کا معیار یہ ہے کہ انسان اپنے مال و دولت میں سے سب سے زیادہ پسندیدہ چیز اللہ کی خوشنودی کی خاطر خرچ کر دے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ط وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ [1]

تم نیکی کو نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ اپنی وہ چیزیں (خدا کی راہ میں) خرچ نہ کرو جنہیں تم عزیز رکھتے ہو اور جو کچھ تم خرچ کرو گے اللہ اس سے بے خبر نہ ہوگا۔

ایک صاحب حیثیت مؤمن کو یہ بھول نہیں جانا چاہیے کہ زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد انفاق کے جملہ تقاضوں سے وہ آزاد نہیں ہو گیا ہے۔ حدیث نبویؐ ہے:

عن فاطمہ بنتِ قیسٍؓ قالَ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ فِی المالِ لحقاً سِوی الزکوٰۃِ [2]

حضرت فاطمہ بنتِ قیسؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے۔

صحابہ کرامؓ میں سے حضرت ابوطلحہؓ انصاری کے مالی ایثار کا ایمان افروز واقعہ مسلمانوں کے لیے سبق آموز ہے۔

---

[1] سورۃ آل عمران : ۹۲

[2] مشکوٰۃ المصابیح، جلد اول، باب فضلِ الصدقۃ ص ۴۱۵

"حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ مدینہ منورہ میں ابوطلحہ کے پاس سب انصار سے بڑھ کر کھجوریں تھیں اور ان کو اپنے اموال میں سب سے بڑھ کر پیارا بیرحار تھا وہ مسجد کے بالمقابل تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر تشریف لے جاتے اور اس کا عمدہ پانی پیتے انسؓ نے کہا جس وقت یہ آیت اُتری کہ تم اس وقت تک ہرگز نیکی کو نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ وہ چیز خرچ نہ کرو جس کو تم دوست رکھتے ہو۔ ابوطلحہؓ حضورؐ کے پاس آئے اور کہا اے اللہ کے رسولؐ، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تم اس وقت تک ہرگز نیکی کو نہیں پا سکتے جب تک وہ چیز خرچ نہ کرو جس کو تم دوست رکھتے ہو اور مجھے اپنے اموال میں سے محبوب بیرحار ہے وہ اللہ کے لیے صدقہ ہے میں اس کے اجر اور ثواب کی اُمید اللہ تعالیٰ سے کرتا ہوں۔ اے اللہ کے رسولؐ جہاں آپ چاہتے ہیں اس کو رکھ دیں آپؐ نے فرمایا شاباش شاباش یہ بڑا نفع دینے والا مال ہے جو کچھ تو نے کہہ دیا ہے میں نے سُن لیا ہے اور میرا خیال ہے کہ تو اس کو اپنے قریبی رشتہ داروں میں تقسیم کر دے ابوطلحہؓ نے کہا اے اللہ کے رسول میں ایسا ہی کروں گا ابوطلحہؓ نے اسے اپنے اقارب اور عم زاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا[1]

حضرت ابوطلحہؓ انصاری کے مالی ایثار کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے مال و دولت میں سے زیادہ پسندیدہ چیز دینی چاہیئے تاکہ مال کی محبت کا انسان پر غلبہ نہ ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ صدقات وخیرات کرتے وقت اپنے ضرورت مند رشتہ داروں کو ترجیح دینی چاہیے اور اسی ترتیب سے مزید انفاق کا دائرہ بڑھاتے ہوئے عام ضرورت مند مسلمانوں تک پہنچانا چاہیے۔

اپنے والدین اور دوسرے عزیز و اقارب کے اس دنیا سے رحلت کر جانے کے بعد بھی، ان کے درجات بلند کرنے کی غرض سے مال و دولت کو خرچ کرنا باعث رحمت ہے:

عن سعدؓ بن عبادة قالَ یا رسول الله انّ اُمّ سعدٍ ماتت فایّ الصدقةِ افضلُ قال الماءُ فحفر بئراً وقالَ هذهٖ لِاُمِّ سعدٍ[2]

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح، جلد اول، باب فضل الصدقہ ص ۴۲۲

[2] ایضاً ص ۴۱۴

حضرت سعدؓ بن عبادہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ ام سعد فوت ہوگئی ہے کون سا صدقہ افضل ہے آپؐ نے فرمایا پانی ۔ انہوں نے ایک کنواں کھدوایا اور کہا یہ ام سعد کا ہے۔

اس حدیث نبویؐ سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ کی مخلوق کے لیے پانی پلانے کا انتظام کرنا افضل صدقہ ہے چنانچہ جن افراد کو اللہ کریم نے دولت مند بنایا ہے وہ اپنی دولت سے عام گزرگاہوں اور راستوں پر مسافروں کی سہولت کے لیے پینے کا پانی مہیا کرکے نیکیوں میں اضافہ کرسکتے ہیں

صدقات وخیرات دینے سے نہ صرف درجات بلند ہوتے ہیں بلکہ مصائب و آلام سے بھی نجات مل جاتی ہے ۔ حدیث نبویؐ ہے ۔

عن علیؓ قَالَ قَالَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم بَادِرُوا بِالصَّدَقَةِ فَاِنَّ الْبَلَاءَ لَا یَتَخَطَّاھَا [1]

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جلد صدقہ کرلو کیونکہ بلا صدقہ سے آگے نہیں بڑھتی ۔

اللہ کی خوشنودی کی خاطر مال و دولت خرچ کرنا اضافے کا سبب بنتا ہے ۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

مَا مِن یومٍ یُصْبِحُ العِبَادُ فیہ اِلَّا مَلَکَانِ یَنْزِلَانِ فیقولُ اَحَدُھُمَا اَللّٰھُمَّ اَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا وَ یقولُ الآخَرُ اللّٰھُمَّ اعْطِ مُمْسِکًا تَلَفًا [2]

ہر دن جب بندے صبح کرتے ہیں تو دو فرشتے اترتے ہیں ایک کہتا ہے اے اللہ (تیری راہ میں) خرچ کرنے والے کو بدل عطا کر دوسرا کہتا ہے اے اللہ بخیل کا مال تلف کر۔

عن ابی ھریرۃؓ قَالَ قَالَ رسول اللہ صلی اللہِ علیہ وسلّم مَا نَقَصَتْ صدقۃٌ مِن مالٍ وَمَا زَادَ اللہُ عبدًا بِعَفْوٍ اِلَّا عِزًّا وَمَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰہِ اِلَّا رَفَعَہُ اللہُ [3]

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح ، جلد اول ، باب الانفاق وکراھیۃ الامساک ص ۴۰۹

[2] ایضاً ، ۴۱۰

[3] ایضاً ، باب فضل الصدقۃ ص ۴۱۰

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدقہ مال کو کم نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ بندے کو اس کے معاف کر دینے کی وجہ سے اس کی عزت بڑھاتا ہے اور کوئی شخص اللہ کی رضامندی کے لیے تواضع اختیار نہیں کرتا مگر اللہ تعالیٰ اس کا مرتبہ بلند کر دیتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات سے واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ کی رضامندی اور خوشنودی کی خاطر جو مال و دولت خرچ کیا جائے اس سے انسان کے درجات بلند ہوتے ہیں۔ مصائب و آلام سے انسان محفوظ و مامون ہو جاتا ہے۔ مال و دولت کم ہونے کی بجائے مزید بڑھ جاتا ہے۔

عن انسؓ قَالَ قَالَ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم انّ الصدقۃ لَتُطفیٔ غضبَ الرّبّ وَ تدفعُ میتۃ السوءِ[1]

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا صدقہ و خیرات اللہ تعالیٰ کے غضب کو بجھا دیتا ہے اور بُری موت کو دُور کرتا ہے۔

صدقہ و خیرات کی اتنی اہمیت و افادیت جان لینے کے بعد ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ وہ اپنی استطاعت کے مطابق صدقات و خیرات کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے اور یہ بات ذہن نشین رکھے کہ یہ مال و دولت اللہ کی طرف سے اس کو بطور امانت ملا ہے اور امانت کا حق یہ ہے کہ اس کو اصل مالک کی طرف لوٹا دے۔ اصل مالک کی طرف لوٹا دینے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی مخلوق اس سے استفادہ حاصل کرے تو گویا امانت کا حق ادا ہو گیا۔

قربانی

قربانی کا حکم تمام شرائع الٰہیہ میں موجود رہا ہے اور ہر اُمت کے نظام عبادت میں اسے ایک لازمی جُز کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ[2]

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح، جلد اول، باب فضل الصدقہ ص ۱۶۴

[2] سورہ الحج : ۳۴

ہر اُمت کے لیے ہم نے قربانی کا ایک قاعدہ مقرر کر دیا ہے تاکہ (اُس اُمت کے) لوگ ان جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اُس نے ان کو بخشے ہیں۔

دنیا کے گوشے گوشے میں مسلمان جو قربانی کا منظر پیش کرتے ہیں وہ درحقیقت حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا فدیہ ہے۔ قربانی دراصل اس عزم و یقین اور سپردگی و فدائیت کا عملی اظہار ہے کہ انسان کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ سب خدا ہی کا ہے اور اسی کی راہ میں یہ سب قربان ہونا چاہیے۔

اسلام سے پہلے لوگ قربانی کر کے اس کا گوشت بیت اللہ کے سامنے رکھ دیتے اور اس کا خون بیت اللہ کی دیواروں پر لتیھڑتے تھے۔ ان کے نزدیک قربانی کا مقصد یہ تھا کہ اللہ کے حضور اس کا خون اور گوشت پیش کیا جائے لیکن اسلام نے جہالت کی یہ رسم ختم کرتے ہوئے بتایا کہ اصل چیز جو اللہ کے حضور پیش ہوتی ہے وہ جانور کا خون اور گوشت نہیں بلکہ تمہارا التقویٰ ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ [1]

نہ ان کے گوشت اللہ کو پہنچتے ہیں نہ خون مگر اُسے تمہارا التقویٰ پہنچتا ہے۔

قربانی کی اصل جگہ تو وہی ہے جہاں ہر سال لاکھوں حاجی اپنی اپنی قربانیاں پیش کرتے ہیں۔ دراصل یہ حج کے اہم اعمال میں سے ہے لیکن اللہ کریم نے اس عظیم شرف سے ان لوگوں کو بھی محروم نہیں رکھا ہے جو مکہ مکرمہ سے دُور رہتے ہوئے حج میں شریک نہیں ہوتے۔ قربانی کا حکم صرف ان لوگوں کے لیے نہیں جو بیت اللہ کا حج کر رہے ہوں بلکہ تمام ذی استطاعت مسلمانوں کے لیے عام ہے جہاں بھی وہ ہوں تاکہ وہ تسخیر حیوانات کی نعمت پر شکر یہ اور تکبیر کا فرض بھی ادا کریں اور ساتھ ساتھ اپنے اپنے مقامات پر حاجیوں کے شریک حال بھی ہو جائیں۔ معتبر روایات سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود مدینہ طیبہ کے پورے زمانہ قیام میں ہر سال بقر عید کے موقع پر قربانی کرتے رہے اور مسلمانوں میں آپؐ ہی کی سنت سے یہ طریقہ جاری ہوا۔ صاحب تفہیم القرآن نے مسند احمدؒ اور ابن ماجہ کے حوالے سے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت بیان کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من وجد سعة فلم يُضَحِّ فلا يقربن مصلانا [2]

---

[1] سورہ الحج : ۳۷

[2] تفہیم القرآن، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، جلد سوم ص ۲۲۹

جو شخص استطاعت رکھتا ہو پھر قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عید گاہ کے قریب نہ آئے۔

عن البراءِ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ذبح قبل الصلوٰۃ فانّما یذبحُ لنفسہٖ ومن ذبح بعد الصلوٰۃ فقد تمّ نُسُکُہٗ وأصاب سُنّۃ المسلمین [1]

حضرت براءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے نماز سے پہلے ذبح کیا ہے وہ اپنے لیے ذبح کرتا ہے جس نے نماز کے بعد ذبح کیا اس کی قربانی پوری ہوئی اور مسلمانوں کی سُنت پالی۔

عن عائشۃؓ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ما عمل ابن اٰدم من عملٍ یوم النحرِ احبَّ الی اللہ من اھراق الدّم [2]

حضرتِ عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قربانی کے دن آدم کی اولاد کا کوئی فعل اللہ کو اس سے زیادہ پسند نہیں کہ وہ (حلال جانور کا) خون بہائے۔

ان احادیث کی روشنی میں ہم پر یہ چیز واضح ہوجاتی ہے کہ ہر صاحبِ حیثیت مسلمان پر قربانی واجب ہے اور استطاعت کے باوجود قربانی نہ کرے تو سخت گناہ گار ہوگا۔

جن افراد کو اللہ کریم نے مال و دولت سے نوازا ہے تو انھیں چاہیے کہ قربانی کا اجر و انعام پانے کے لیے اپنے مُردہ رشتہ داروں کی طرف سے بھی قربان کریں۔ قربانی کے گوشت میں سے ایک حصّہ فقراء و مساکین کے لیے ہے۔ ایک حصّہ اپنے عزیز و اقارب میں تقسیم کرکے ایک حصّہ اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لیے استعمال کیا جائے۔

قربانی صدقہ ہی کی شکل ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سُنت ہے

---

[1] تفہیم القرآن، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، جلد سوم ص ۲۲۹

[2] مشکوٰۃ المصابیح، جلد اول، باب صلوٰۃ العیدین ص ۳۰۶

[3] ایضاً، باب فی الاضحیّۃ ص ۳۱۲

صدقہ فطر ماہ رمضان میں فقراء و مساکین کو کھانا کھلانا، روزہ داروں کو افطار کرانا بہت بڑی نیکی ہے لیکن صدقہ فطر انفاق کی ایک ایسی صورت ہے جسے رمضان اور روزے کے ساتھ لازم کر دیا گیا ہے۔ صدقہ فطر کا تعلق نہ تو جمع شدہ دولت سے ہے اور نہ ہی زرعی پیداوار سے۔ اسے ماہ رمضان کے اختتام اور عید کی خوشیوں میں داخل ہونے پر رمضان کے روزے رکھنے کی نعمت توفیق پر اللہ تعالیٰ کے شکرانے کے طور پر مشروع کیا گیا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ محتاج مفلس اور نادار بھائیوں کو عید کے دن اپنی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے دوسروں کے سامنے سوال کرنے سے بے نیاز کر دیا جائے۔ اسی لیے اسلام نے اس کی ادائیگی کے لیے نماز عید سے پہلے کا وقت مقرر کیا ہے۔

عن ابن عمرؓ قال فرض رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم زکوٰۃ الفطر صاعاً من تمرٍ او صاعاً من شعیرٍ علی العبدِ والحرِّ والذکرِ والانثیٰ والصغیرِ والکبیرِ من المسلمین وامر بھا ان تؤدیٰ قبل خروج الناسِ الی الصّلوٰۃ [1]

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجوروں یا جو کا ایک صاع صدقہ فطر مسلمانوں کے ہر غلام، آزاد، مرد، عورت، چھوٹے اور بڑے پر فرض قرار دیا ہے اور حکم دیا ہے نماز عید کی طرف نکلنے سے پہلے پہلے اُسے ادا کر دیا جائے۔

عن ابن عباسؓ قال فرض رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم زکوٰۃ الفطر طُھرۃ الصیّام من اللغو والرفثِ وطعمۃً للمساکین [2]

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر کو روزوں کو لغو اور بے ہودہ باتوں سے پاکیزہ کرنے والا اور مساکین کے لیے کھانے کا باعث بنایا ہے۔

اس عملِ انفاق کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہ بالغ و نابالغ سب افراد کی

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح، جلد اول، باب صدقۃ الفطر ص ۳۹۱

[2] ایضاً ص ۳۹۲

طرف سے ادا کرنا لازم ہے اس کے لیے آزاد یا غلام، عورت یا مرد اور چھوٹے یا بڑے میں میں کوئی فرق نہیں کیا گیا۔

رفاہِ عامہ کے لیے انفاق

اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضروریات پر خرچ کرنے، اپنے خاندان کے قریبی اور دُور کے رشتہ داروں معاشرے کے مستحق و نادار افراد کی اعانت کرنے اور دینِ اسلام کے غلبے کی جد وجہد کے لیے انفاق کرنے کے بعد ایک صاحبِ دولت اور ثروت مند مُسلمان کے لیے کیا مزید خرچ کرنے کی گنجائش ہے یا نہیں۔ اگر گنجائش ہے تو پھر اس کی وسعت کہاں تک ہے؟ اس سوال کے جواب کے لیے اتنا بتا دینا کافی ہے کہ اسلام کسی صورت میں یہ نہیں چاہتا کہ زائد از ضرورت مال و دولت کو جمع کر کے رکھ دیا جائے بلکہ اسلام چاہتا ہے کہ اسے نیکی اور بھلائی کے کاموں میں خرچ کیا جائے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَیَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ط قُلِ العفو ط[1]

اور لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں کہو جو کچھ تمہاری ضروریات سے زیادہ ہو۔

صاحبِ ضیاء القرآن پیر محمد کرم شاہ الازہری نے العفو کی تفسیر قرطبی کے حوالے سے یوں بیان کی ہے۔

العفو ما سھل وتیسر وفضل ولم یشق علی القلب اخراجہ (قرطبی)

یعنی جو تمہاری ضروریات سے زیادہ ہو یا جس کا خرچ کرنا تمہاری طبیعتوں پر بوجھ نہ ہو۔

پھر مفسر موصوف نے ایک اہم قانونی کلیے کی وضاحت کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ بطور نظیر پیش کیا وہ لکھتے ہیں:

ایک شخص سونے کا انڈا لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میری طرف سے یہ صدقہ قبول فرمائیے۔ حضورؐ نے منہ پھیر لیا۔ وہ بار بار اصرار کرتا رہا اور حضور اعراض فرماتے رہے۔ جب وہ باز نہ آیا تو حضورؐ نے وہ انڈا اس سے لے کر غصے سے دُور پھینک دیا اور

---

[1] سورۃ البقرہ : ۲۱۹

اگر وہ اُس سے لگ جاتا تو اس کا سر پھوڑ دیتا پھر اس حکیم و مشفق استاد اور مُربی نے فرمایا۔

یاتی احدکم بمالہ کلہ یتصدق بہ و یجلس یتکفف النّاس انما الصدقۃ عن ظہر غنی۔

تم میں سے کوئی آتا ہے اور اپنا سارا مال خیرات کر دیتا ہے اور پھر لوگوں سے بھیک مانگنے لگتا ہے صدقہ تو تب ہے جب احتیاج نہ ہو۔

نیز اس لفظ میں ان لوگوں کے لیے بھی عبرت ہے جن کے پاس بے حساب دولت ہے اور ان کے گرد و نواح اور پڑوس میں کئی غریب، مسکین اور محتاج زندگی کی اہم ضروریات کے لیے بھی ترس رہے ہوتے ہیں وہ بھی یہ نہ سمجھیں کہ زکوٰۃ ادا کر کے اب وہ ہر قسم کی ذمہ داری سے سکدوش ہو گئے ہیں بلکہ ان کی ضروریات سے زیادہ جو سرمایہ ہے اس سے وہ اپنے اسلامی بھائیوں کی مدد کریں۔

بعض کا خیال ہے کہ زکوٰۃ سے پہلے یہ حکم تھا کہ ضرورت سے زیادہ مال صدقہ کر دیا کرو لیکن زکوٰۃ کی فرضیت کے بعد یہ آیت منسوخ ہو گئی۔ صاحب تفسیر مظہری فرماتے ہیں کہ یہ رائے درست نہیں کیونکہ آیت زکوٰۃ جو سورۂ بقرہ کی ابتدا میں ہے اس آیت سے پہلے نازل ہوئی اس لیے وہ اس آیت کی ناسخ نہیں ہو سکتی قلت وھذا لیس بسدید فان انزال الحکم بالزکوٰۃ فی صدر سورۃ البقرۃ ... (فھی) مقدمۃ نزولا علی ھذہ الایۃ (مظہری) نیز یہاں نسخ کی ضرورت بھی نہیں کیونکہ زکوٰۃ فرضی صدقہ ہے اور یہ آیت نفلی صدقات کے بارے میں ہے[1]

اسی مفہوم کی تائید ایک دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

عن سعد بن ابی وقاصٍ قالَ مرضتُ عام الفتح مرضًا اشفیت علی الموت فاتانی رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعودنی فقلت یارسولَ اللہ انّ لی مالاً کثیرًا ولیسَ یرثنی الّا ابنتی افاوصی بمالی کلہٖ قالَ لا قلتُ فثلثی مالی قال لا قلتُ فالشطر قال لا قلت فالثلث قالَ الثلث والثلث کثیرٌ انک ان تذر ورثتک

---

[1] ضیاء القرآن، پیر محمد کرم شاہ الازہری، جلد اول ص ۱۵۰

اغنیاءَ خیرٌ من ان تذرھم عالۃً یتکففون النّاس وانک لن تنفق نفقۃ تبتغی بہا وجہ اللہ الّا اجرت بہا حتّی اللقمۃَ ترفعہا الٰی فی امرأتک [1]

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ میں فتح مکہ کے سال ایسا بیمار ہوا کہ قریب المرگ ہو گیا حضورؐ میری عیادت کے لیے تشریف لائے میں نے کہا اے اللہ کے رسولؐ میرے پاس بکثرت مال ہے اور بیٹی کے سوا میرا کوئی وارث نہیں کیا میں سارے مال کی وصیت کر دوں فرمایا نہیں میں نے کہا دو تہائی۔ فرمایا نہیں میں نے کہا آدھا مال آپؐ نے فرمایا نہیں۔ میں نے کہا تہائی۔ آپؐ نے فرمایا تہائی اور تہائی بھی زیادہ ہے۔ تیرے لیے یہ بات بہتر ہے کہ تو اپنے وارثوں کو غنی چھوڑ کر جائے اس سے کہ ان کو مفلس چھوڑ دے۔ اس حال میں کہ وہ لوگوں سے مانگتے پھریں۔ مال خرچ کرتے وقت اللہ کی رضامندی طلب کر اللہ تجھے ثواب دے گا اس کی وجہ سے یہاں تک کہ اپنی بیوی کے منہ کی طرف لقمہ اُٹھائے۔

اس حدیث مبارکہ سے ہم بآسانی اخذ کر سکتے ہیں کہ انفاق فی سبیل اللہ کرتے وقت اپنے لواحقین اور عزیز و اقارب کی مالی حالت کو سامنے رکھیں یہ نہ ہو کہ وہ تنگدستی میں مبتلا ہو کر لوگوں کے سامنے دستِ سوال دراز کریں جیسا کہ پہلے بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ صدقہ و خیرات اس وقت تک ہے جب تک کہ دولت کی پشت پناہی رہے۔

جہاں تک زائد از ضرورت مال و دولت کی موجودگی کا تعلق ہے اسلام ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ اسے خرچ کرنے سے روک دیا جائے۔ حضرت ابوامامہؓ کی روایت کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یا ابن اٰدم ان تبذل الفضل خیرٌ لک واَن تُمسکہٗ شرٌ لک ولا تُلامُ علٰی کفافٍ وابدأ بمن تعول [2]

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح، جلد دوم، باب الوصایا ص ۶۱

[2] ایضاً ، جلد اول، باب الانفاق وکراہیۃ الامساک ص ۲۰۴

اے ابن آدم حاجت سے زائد مال کو تیرا خرچ کرنا تیرے لیے بہتر ہے اگر تو اس کو خرچ نہیں کرے گا تیرے لیے بُرا ہے بقدر کفایت خرچ کرنے پر تجھ کو ملامت نہیں کی جائے گی اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرنے سے ابتدا کر۔

زائد از ضرورت مال کی موجودگی میں حاجت مندوں اور ضرورت مندوں کو عطا کرنا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل سے ثابت ہے۔

عن ابی سعید الخدری قال بینما نحن مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجل علی ناقۃ لہ فجعل یصرفھا یمیناً وشمالاً فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کان عندہ فضل ظھر فلیعد بہ علی من لا ظھر لہ ومن کان عندہ فضل زاد فلیعد بہ علی من لا زاد لہ حتی ظننا انہ لاحق لاحد منا فی الفضل لہ

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے اتنے میں ایک شخص اونٹ پر سوار ہو کر آیا اور دائیں بائیں اس کو پھیرنے لگا آپ نے فرمایا جس کے پاس کوئی زائد سواری ہو تو اس شخص کو لوٹا دے جس کے پاس سواری نہیں ہے اور جس کے پاس زائد زادِ راہ ہو اس شخص کو دے دے جس کے پاس زادِ راہ نہیں یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ ہم میں سے کسی کو زائد چیز کا کوئی حق نہیں۔

قحط و خشک سالی، بارشیں اور سیلاب جیسی قدرتی آفات آجانے کی صورت میں عامۃ المسلمین پر مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں۔ لاکھوں کی تعداد میں انسانی جانیں بھوک اور فاقوں کا شکار ہو کر ختم ہو سکتی ہیں۔ عوام الناس کو ان مصیبتوں اور کٹھن حالات سے بچانے کی عظیم ذمہ داری ہر اس فرد پر عائد ہوتی ہے جس کے پاس اپنی حوائج و ضروریات سے زائد مال و دولت موجود ہو اور اجتماعی مفاد کا تقاضا بھی یہی ہے۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت ابو موسیٰ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشعری قبیلے کے غیر معمولی جذبے کو سراہتے ہوئے اظہارِ پسندیدگی فرمایا آپ کا ارشاد ہے:

لہ سنن ابی داؤد، جلد اول، باب حقوق المال ص ۶۲۲

قرآن و حدیث کے ان نظائر سے معلوم ہوتا ہے کہ مال و دولت جو اللہ کریم کی طرف سے بطور امانت و دلیعت کی جاتی ہے اس کو اللہ کی مخلوق پر خرچ کرنا چاہیے۔ اپنی اور اپنے اہل خانہ کی ضروریات کے ساتھ ساتھ اپنے قریبی اور دُور کے رشتہ داروں کی فراخدلی سے مدد کرنی چاہیے۔ مزید یہ کہ دولت کو معاشرے کے محروم المعیشت افراد پر بھی خرچ کرنا چاہیے۔ صدقات واجبہ کی ادائیگی کے بعد بھی یتیموں، مسکینوں، محتاجوں اور دیگر مستحق افراد کی حسبِ توفیق اعانت کرنی ضروری ہے اگر ربّ العزت نے زیادہ مال سے نوازا ہے تو پھر رفاہِ عامہ اور ملکی ضروریات کے مطابق دولت کو اجتماعی مفاد کے کاموں اور منصوبوں کے لیے وقف کر دینا اسلام کی عین مرضی کے مطابق ہے۔

مقبولیت انفاق کی شرائط

۱۔ انفاق خالص اللہ کے لیے ہو

اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات کے اعتبار سے وحدہٗ لاشریک ہے۔ حق عبادت بھی اُسی کی ذات سے مختص ہے اور عبدیت کے تقاضوں کا بھی وہی اکیلا مستحق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے سے ہر طرح کی مالی اور جانی قربانی اپنے ہی لیے مخصوص کرا کر سر اطاعت خم کرنے کا حکم دیا ہے۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ۝[1]

کہو میری نماز، میرے تمام مراسمِ عبودیت، میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ اللہ ربّ العالمین کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور سب سے پہلے سر اطاعت جھکانے والا میں ہوں۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا ایسا کبیرہ گناہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ کبھی معاف نہیں کرتا ٹھیک اسی طرح مال و دولت کے انفاق کو کسی ایسی صورت میں قبول نہیں فرماتا جو اُس کے سوا کسی اور کے لیے مخصوص ہو۔

---

[1] سورۃ الانعام : ۱۶۲ - ۱۶۳

۲۔ ریاکاری سے پاک ہو انسان کا ہر عمل مقبول و منظور ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے کیا جائے۔ اسی طرح مال و دولت کا انفاق بھی وہی سند قبولیت پا سکتا ہے جو خالص اللہ کے لیے خرچ کیا جائے اگر لوگوں کو دکھانے اور ان سے داد حاصل کرنے کی غرض سے خرچ کیا جائے تو وہ مبنی بر شرک قرار پاتا ہے۔ قرآن مجید نے انفاق میں ریاکاری سے بچنے کی ہدایت کی ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ط وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا[1]

اور وہ لوگ جو اپنا مال و دولت لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتے ہیں اور اللہ اور یوم آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور جس کا ساتھی شیطان ہو اُس کا بہت بُرا ساتھی ہے۔

قرآن مجید کے ساتھ احادیث مبارکہ میں بھی ایسے افراد کے متعلق بڑے جامع انداز میں وضاحت ملتی ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ لَا ينظُرُ اِلٰى صُوَرِكُمْ وَاَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ ينظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ وَاَعْمَالِكُمْ[2]

حضرت ابوہریرۃؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہاری صُورتوں اور تمہارے اموال کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں اور اعمال کی طرف دیکھتا ہے۔

اس حدیث نبوی ؐ کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر انسان کے نزدیک خرچ کرنے کا مقصد یہ ہو کہ وہ لوگوں میں فیاض اور سخی جیسے القاب سے مشہور و معروف ہو جائے۔ لوگوں پر اپنی دولت کی دھاک بٹھا دے گلی کوچوں، محلوں قصبوں اور شہروں میں اُس کا چرچا اور شہرت پھیلے تو ایسی دولت خرچ کرنے سے وہ کسی صلہ اور اجر کا مستحق نہیں ٹھہر سکتا خواہ وہ بڑے بڑے خیراتی پراجیکٹ اور

---

[1] سورۃ النسار : ۳۸

[2] مشکوٰۃ المصابیح، جلد دوم، باب الریار والسمعۃ ص ۵۱۸

منصوبے، رفاہی ادارے عوامی تفریح گاہیں اور پارک اور مساجد و مدارس پر ہی اپنی دولت خرچ کیوں نہ کر رہا ہو۔

ایک اور روایت میں حضرت شدادؓ بن اوس کا بیان ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا۔

من صلّی یُرآئِ فقد اشركَ ومن صَامَ یُرآئِ فقد اشرك ومن تصدّق یُرآئِ فقد اشركَ [1]

جس نے ریار کے طور پر نماز پڑھی اس نے شرک کیا اور جس نے ریار کے طور پر روزہ رکھا اُس نے شرک کیا اور جس نے ریار کے طور پر صدقہ کیا اُس نے شرک کیا۔

ان احادیث سے معلوم ہوجاتا ہے کہ انفاقِ مال وہی مقبول اور منظور ہوتا ہے جو ریار سے بالکل صاف ہو اور اگر ریار کاری کے لیے خرچ کیا جائے تو وہ شرک کے ہم پلہ ہوجاتا ہے جو اجر و ثواب کی بجائے الٹا موجب خسران بن جاتا ہے۔

۳۔ انفاق میں احسان جتلانے اور اذیت دینے سے اجتناب

جس طرح ریار کاری اور نمود و نمائش کی غرض سے خرچ کی جانے والی دولت صارف کو کوئی فائدہ نہیں پہنچاتی ٹھیک اسی طرح احسان جتانے اور اذیت پہنچانے سے صرفِ دولت کا مقصد فوت ہوجاتا ہے کیونکہ ضرورت مند کو نوازنے کے بعد احسان جتا کر اس کی عزتِ نفس کو مجروح کیا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی لا كَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ط فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَیْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ط لَا یَقْدِرُوْنَ عَلٰی شَیْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ط وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ [2]

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح، جلد دوم، باب الریار والسمعۃ ص ۵۱۸

[2] سورۃ البقرۃ : ۲۶۴

اے ایمان والے لوگو اپنے صدقات احسان جتا کر اور اذیت دے کر اُس شخص کی طرح ضائع نہ کرو جو اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے اور اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔ اس شخص کی مثال ایسی ہے کہ چٹان پر مٹی پڑی ہو اور اس پر بارش برسے اور اسے سپاٹ بنا چھوڑے۔ ایسے لوگ جو کچھ کماتے ہیں اس کے کسی حصے پر قابو نہیں رکھتے اور ناشکروں کو خدا ہدایت نہیں دیتا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنَّانٌ [1]

احسان کر کے جتلانے والا جنّت میں داخل نہیں ہوگا۔

انفاقِ مال احسان و ایذا کی بجائے بے لوث اور لوجہ اللہ ہونا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی شکرگزاری کرنی چاہیے کہ اُس نے محروموں کو نوازنے کی آپ کو توفیق بخشی۔ انفاقِ مال وہی اللہ کی بارگاہ میں بارآور اور ثمرآور ہوگا جس میں احسان و ایذا ہی نہ ہو۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَا اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَا اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَا اَذًى ط وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ [2]

جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر اپنے خرچ کے بعد نہ احسان جتاتے ہیں اور نہ اذیت دیتے ہیں انہی کے لیے اجر ہے ان کے رب کے پاس اور ان کے لیے کسی خوف اور غم کا موقع نہیں ہے۔ ایک بھلی بات اور درگزر کا فعل بہتر ہے اس صدقہ سے جس کے پیچھے اذیت ہو اور اللہ بے نیاز اور بُردبار ہے۔

---

[1] سُنن نسائی، جلد سوم، کتاب الاشربۃ ص ۵۳۰

[2] سورۃ البقرہ: ۲۶۲ - ۲۶۳

۴۔ انفاق بخل و کنجوسی کے دھبّے سے پاک ہو

قرآن مجید اور احادیث نبویؐ میں بخل کی بار بار مذمت کی گئی ہے۔ قرآن کے مطالعے سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ خوشحال افراد جو اپنی دولت مندی پر فخر کرتے ہیں وہی بخیل ثابت ہوتے ہیں۔ یہ لوگ خود بھی بخیل ہوتے ہیں اور دوسرے انسانوں کو بھی اسی پیروی کرنے کا حکم دیتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا ۝ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَیَکْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ط وَاَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّھِیْنًا [۱]

یقین جانو اللہ کسی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو اپنے پندار میں مغرور ہو اور اپنی بڑائی پر فخر کرے اور ایسے لوگ بھی اللہ کو پسند نہیں ہیں جو کنجوسی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی کنجوسی کی ہدایت کرتے ہیں اور جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے انہیں دیا ہے اُسے چھپاتے ہیں ایسے کافر نعمت لوگوں کے لیے ہم نے رسوا کن عذاب مہیا کر رکھا ہے۔

کنجوس اپنی بخیلی کا مظاہرہ کر کے دولت کے پرستاروں میں تو داخل ہو جاتا ہے لیکن محبوب خلائق کا مقام نہیں پا سکتا۔ اس کے خرچ کرنے سے اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں تو اضافہ نہیں ہوتا وہ تو غنی ہے اس کو اس کے مال کی ضرورت نہیں۔ البتہ خرچ کرنے سے اس کا اپنا ہی فائدہ ہے۔

عَنْ اَسْمَاءَؓ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْفِقِیْ وَلَا تُحْصِیْ فَیُحْصِیَ اللّٰہُ عَلَیْکِ وَ تُوْعِیْ فَیُوْعِیَ اللّٰہُ عَلَیْکِ ارْضَخِیْ مَا اسْتَطَعْتِ۔ [۲]

حضرت اسماءؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے اسماءؓ نیکی کے راستے میں خرچ کیا کر اور شمار نہ کر ورنہ اللہ بھی شمار کرے گا اور روک نہ رکھ اللہ تجھ پر بھی روک رکھے گا۔ جو کچھ ہو سکے دینے سے دریغ نہ کر۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور حدیث ہے۔

---

[۱] سورۃ النساء : ۳۶ - ۳۷

[۲] مشکوٰۃ المصابیح، جلد اول، باب الانفاق و کراہیۃ الامساک ص ۴۰۲

اول صلاح هذه الامة الیقین والزُھد و اولُ فسادھا البخل و الامل لہ

امت کی اصلاح کی ابتدا اللہ کے ساتھ یقین اور دنیا سے بے رغبتی سے ہوتی ہے اور اس کے فساد کا آغاز بخل اور لمبی لمبی امیدوں سے ہوگا۔

معاشرے کی تباہی و بربادی کا نقطہ آغاز بخل ہے اور بُخل کی جڑ کاٹنے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت مفید اور سُود مند نسخہ تجویز فرمایا:

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔

ایّ الصدقۃ اعظم اجرًا قال تصدّق وانت صحیحٌ شحیحٌ تخشی الفقر و تامل الغنیٰ لہ

اجر و ثواب کے لحاظ سے کونسا صدقہ بڑا ہے آپؐ نے فرمایا جو تو اس حالت میں کرے جبکہ تو تندرست ہو۔ حرص رکھتا ہو فقر سے ڈرتا ہو اور دولت کی امید رکھتا ہو۔

۵۔ انفاق میں غرور و تکبر کا اظہار نہ ہو

مال و دولت اللہ کی ایک نعمت ہے جو امانت کے طور پر انسان کو دی جاتی ہے لیکن جب انسان اس کو معاشرے کے حاجت مندوں اور ضرورت مندوں کے لیے خرچ کرتا ہے تو اکڑتا پھرتا ہے یہ تو ادائے فرض کی ایک صُورت ہے مقامِ تفاخر نہیں بلکہ شکر بجا لانے کا محل ہے۔ تکبر گویا شرک و کفر کی ایک صُورت ہے۔ انعامِ الٰہی کو اپنا کمال سمجھنا اور اس پر نخوت دکھانا خدا کی ناشکری ہے۔ جو لوگ شکر گزاری کو اپناتے ہیں دوسروں کے سامنے انکسار و تواضع کو شعار بناتے ہیں ایسے ہی لوگ اللہ کے محبوب ہوتے ہیں۔ اسی لیے تکبر سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے لہذا ضروری ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کیا جانے والا مال انسان کو تکبر کی راہ پر نہ ڈالے بلکہ شکر کا خوگر بنائے۔ حدیث نبویؐ ہے:

عن ابن مسعودؓ قال قال رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم لا یدخل النّار

لہ مشکوٰۃ المصابیح، جلد دوم، باب الامل والحرص ص ۵۰۹

لہ ایضاً ، جلد اول ، باب الانفاق وکراھیۃ الامساک ص ۱۶۳

احدٌ فی قلبہٖ مثقال حبّۃٍ من خردلٍ من ایمانٍ ولا یدخل الجنّۃ احدٌ فی قلبہٖ مثقال حبّۃٍ من خردلٍ من کبرٍ[1]

ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آگ میں وہ شخص داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہوگا اور وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں رائی کے برابر بھی تکبّر ہوگا۔

ایک دوسری حدیث میں بھی ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا یدخلُ الجنّۃ من کان فی قلبہٖ مثقال ذرۃٍ من کبرٍ فقال رجل انّ الرجُلَ یُحبُّ اَن یکُون ثوبہٗ حسنًا قالَ انّ اللہ جمیلٌ یُحبّ الجمال الکبر بَطَر الحقّ وغمطُ النّاسِ[2]

وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہو۔ ایک شخص نے کہا اے اللہ کے رسولؐ ایک شخص اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں اور جوتے اچھے ہوں۔ آپؐ نے فرمایا۔ اللہ کی ذات خود جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتی ہے۔ تکبر تو حق کو باطل کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔

انسان پر لازم ہے کہ حقوق العباد کی ادائیگی میں مال و دولت خرچ کرکے تواضع و انکساری اپنائے اور اللہ کا شکر بجا لائے۔

۶۔ انفاق کے لیے عمدہ مال مختص کیا جائے

اللہ تعالیٰ سے محبّت و تعلق کا تقاضا یہ ہے کہ عمدہ سے عمدہ مال اس کی راہ میں خرچ کیا جائے اور اس کی مُحبّت پر مال و دولت کی مُحبّت کو قربان کر دیا جائے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ وَمِمَّا اَخْرَجْنَا لَکُمْ

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح، جلد دوم، باب الغضب والکبر ص ۴۷۲

[2] ایضاً

مِنَ الْاَرْضِ وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِیْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْهِ ط وَاعْلَمُوْآ اَنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ [1]

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کی راہ میں خرچ کرو ان عمدہ چیزوں میں سے جو تم نے کمائی ہیں اور جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالی ہیں ردی چیزیں چھانٹ کر اللہ کی راہ میں نہ دو حالانکہ اگر وہ تمہیں دی جائیں تو تم ہرگز انہیں نہ لو الا یہ کہ اغماض برت جاؤ۔ خوب جان لو کہ اللہ بے نیاز ہے اور بہترین صفات رکھتا ہے

اللہ کی رضا کے لیے خرچ کیا جانے والا مال طیب ہی ہو سکتا ہے کیونکہ جس مال کو انسان خود اپنے لیے پسند نہیں کرتا بھلا ایسے مال کو اللہ کی راہ میں دے کر اس کی خوشنودی کیسے حاصل ہو سکتی ہے۔

ناجائز مصارف۔ تبذیر

اسلام ایک صالح اور پاکیزہ معاشرہ قائم کرتا ہے اس مقصد کے لیے سب سے پہلے وہ افراد کی جسمانی ذہنی اور عقلی و فکری تطہیر کرتا ہے۔ اس لحاظ سے اسلام کا حلال و حرام کا جو تصور ہے وہ معاشرے کو صالح و پاکیزہ بنانے کا اولین قدم ہے۔ اسلام نے جتنی چیزوں کو حرام ٹھہرایا ہے ان میں یہی مصلحت و حکمت کارفرما ہے۔ شراب نوشی، زناکاری، جوابازی، سٹہ بازی اور لاٹری حرام ہیں اور ان کاموں پر دولت خرچ کرنا بھی حرام ہے۔ اس لیے اسلام ان کاموں سے بچنے کا حکم دیتا ہے

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ [2]

یہ شراب اور جوا اور یہ آستانے اور پانسے یہ سب گندے شیطانی کام ہیں ان سے پرہیز کرو امید ہے کہ تمہیں فلاح نصیب ہوگی۔

---

[1] البقرہ : ۲۶۷

[2] سورۃ المائدہ : ۹۰

زنا کے متعلق قرآن مجید کا ارشاد ہے :

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ط وَسَاءَ سَبِيْلًا [1]

اور زنا کے قریب نہ پھٹکو یہ بے حیائی اور بُرا چلن ہے ۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نشہ آور چیز کو مسلمان کے لیے حرام قرار دیا ہے ۔ آپ کا ارشاد ہے :

كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ [2] ہر نشہ لانے والی چیز حرام ہے ۔

قرآن و حدیث میں شراب اور ہر نشہ آور چیز کی جو حرمت آئی ہے وہ محتاجِ وضاحت نہیں آج کے دور میں اس جیسی چیزیں جن میں افیون اور ہیروئن ہمارے معاشرے میں ایسا زور پکڑ چکی ہیں کہ ایک طرف تو اپنی قیمتی دولت کا وسیع پیمانے پر ضیاع ہو رہا ہے جس کی اسلام قطعی اجازت نہیں دیتا تو دوسری طرف بہت سی معاشرتی بیماریاں پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے چکی ہیں

قرآن مجید کی مذکورہ آیت میں خمر کے بعد میسر کا ذکر کیا گیا ہے میسر مطلقاً جوا کو کہتے ہیں خواہ اس کی صورت کیسی ہو حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ الشطرنج من المیسر ۔ شطرنج بھی جوا ہے [3]

عن ابی مسعود الانصاری ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن ثمن الکلب و مھر البغی و حلوان الکاھن [4]

حضرت ابو مسعودؓ انصاری روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت زنا کی اجرت اور کاہن کی اجرت سے منع فرمایا ہے ۔

قرآن و حدیث میں ان تمام چیزوں کی حرمت اور ممانعت کے احکام قطعی ، ابدی اور اٹل ہیں ۔ لہٰذا مال و دولت کے ایسے مصارف جن کو شریعت نے ممنوع قرار دیا ہو اسلامی اصطلاح میں تبذیر کہلاتا ہے ۔

---

[1] سورۃ بنی اسرائیل : ۳۲

[2] سنن ابن ماجہ ، جلد دوم ، ابواب الاشربہ ص ۳۲۹

[3] ضیاء القرآن ، پیر محمد کرم شاہ الازہری ، جلد اول ۸۰۵

[4] صحیح بخاری ، جلد اول ، کتاب البیوع ص ۷۷۳

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ حدیث مبارکہ میں جب کتے کی قیمت، زنا کی اُجرت اور کاہن کی اجرت سے منع کیا گیا ہے تو ان کاموں پر دولت خرچ کرنا بھی تبذیر میں داخل ہے۔

تبذیر کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ○ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ط وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا [1]

اور مال کو بے ہودہ نہ اڑاؤ کیونکہ بے ہودہ اڑانے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان تو اپنے رب کا ناشکرا ہے۔

شیخ عبدالحق حقانیؒ وَلَا تُبَذِّر کی تفسیر و توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے مال و دولت کو کارِ خیر میں صَرف کرنے کو کہا ہے اڑا دینے کا حکم نہیں دیا ہے۔ لغویات میں مال برباد نہ کر۔ بے ضرورت مکانات بنانا، اسباب خریدنا، گھوڑے وغیرہ اشیاء بے ضرورت مُول لینا سب میں تبذیر ہے۔ اسی طرح بیاہ شادی، دعوت، مہمانی کھانے پینے میں بھی اعتدال سے بڑھنا تبذیر ہے اور ناچ رنگ آتش بازی وغیرہ تو اور بھی ممنوع ہے [2]

عن ابی العبیدین قال سألتُ عبد اللہ عن المبذرین قال الذین ینفقون فِی غیر حق [3]

ابوالعبیدین سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں نے عبداللہ (ابن عباسؓ) سے مبذرین کے معنیٰ دریافت کیے تو آپ نے فرمایا کہ (مبذرین سے مُراد) وہ لوگ ہیں جو ناحق مصارف میں خرچ کرتے ہیں۔

باطل افکار و خیالات کی اشاعت یا فحش باتوں کی اشاعت حرام ہے اور اس مقصد کے لیے مال

---

[1] سورۃ بنی اسرائیل: ۲٦ - ۲۷

[2] تفسیر حقانی، شیخ عبدالحق حقانی، جلد دوم ص ۴۴٦

[3] الادب المفرد بحوالہ اسلام کا نظریہ ملکیت حصہ اول، ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی ص 215

و دولت صرف کرنا تبذیر میں داخل ہے ۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے ۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ لا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ ط وَاللّٰہُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ [۱]

جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں میں فحش کی اشاعت ہو ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک سزا ہے اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور تم علم نہیں رکھتے ہو ۔

چنانچہ سنیما گھروں میں مختلف قسم کی فلمیں دکھائی جاتی ہیں جس سے عریانیت ، فحاشی اور جنس پرستی کو فروغ حاصل ہوتا ہے ۔ ان مقاصد کے لیے مال و دولت کا صرف کرنا بھی تبذیر میں شامل ہے ۔ رقص و سرور اور گانا بجانے کی محفلیں سجا کر اجنبی لڑکے اور لڑکیاں جنسی مناظر پیش کر کے خاص و عام کے دل موہ کر بے انتہا دولت سمیٹ لیتے ہیں حالانکہ اس مقصد کے لیے دولت صرف کرنا بھی اسلام میں ممنوع ہے ۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے :

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْتَرِیْ لَھْوَ الْحَدِیْثِ لِیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِغَیْرِ عِلْمٍ ق وَّیَتَّخِذَھَا ھُزُوًا ط اُولٰٓئِکَ لَھُمْ عَذَابٌ مُّھِیْنٌ [۲]

اور لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو خریدتا ہے کلام دلفریب تاکہ اللہ کی راہ سے بھٹکا دے (اس کے نتائج بد سے) بے خبر ہو کر اور اس کا مذاق اڑاتے رہیں ۔ ایسے لوگوں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے ۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گانے بجانے کی محفلوں کو سجانے والی انہی رقاصاؤں کے متعلق فرمایا :

لَا تبیعوا القینا وَلَا تشتروھنّ ولا تعلموھنّ ولا خیر فی تجارۃٍ فیھنّ وَثمنھن حرام [۳]

گانے بجانے والی لونڈیوں کو نہ فروخت کرو نہ انھیں خریدو اور نہ ہی ان کو گانا سکھلاؤ ۔

---

[۱] سورۃ النور : ۱۹

[۲] سورۃ لقمٰن : ۶

[۳] جامع ترمذی ، جلد اول ، ابواب البیوع ص ۵۸۹

ان کی تجارت میں خیر نہیں اور ان کی قیمت لینا حرام ہے۔

سونے اور چاندی کے برتنوں کا استعمال حرام ہے اور مردوں کے لیے ریشم کے کپڑوں اور سونے کے زیورات کا استعمال بھی حرام ہے اور ان پر دولت خرچ کرنا تبذیر میں داخل ہے۔ اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا تشربوا فی اٰنیة الذھب والفضة ولا تلبسوا الحریر والدیباج [1]

سونے اور چاندی کے برتن میں نہ پیو اور نہ حریر و دیباج کے لباس پہنو۔

عن ابی موسی الاشعریؓ ان النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم قال اُحِلّ الذھبُ والحریرُ للاناث من امّتی وحُرّم علی ذکورھا [2]

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ریشم اور سونا میری امت کی عورتوں کے لیے حلال کیا گیا ہے اور مردوں پر حرام ہے۔

رہائشی مکانوں کی زیب و زینت اور خوبصورتی کے لیے قیمتی پردے لٹکانا بھی اسلام میں ممنوع ہے۔

عن عائشةؓ ان النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم خرج فی غزاة فاخذت نمطًا فسترتہ علی الباب فلما قدم فرأی النمط فجذبہ حتی ھتکہ ثمّ قال ان اللہ لم یامرنا ان نکسوا الحجارة والطین [3]

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جہاد کے لیے نکلے میں نے ایک کپڑا لیا اور دروازے پر اس کا پردہ لگا دیا جب آپؐ واپس تشریف لائے آپ نے پردہ پڑا ہوا دیکھا آپؐ نے اس کو کھینچا یہاں تک کہ اس کو پھاڑ دیا پھر فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہم کو مٹی اور پتھروں کو کپڑے پہنانے کا حکم نہیں دیا۔

پردوں کے علاوہ گھروں اور مکانوں کو تصاویر سے سجانا بھی ممنوع ہے اور ان پر دولت خرچ کرنا بھی تبذیر ہے۔

---

[1] صحیح بخاری، جلد سوم، کتاب الاشربہ ص ۲۵۲

[2] مشکوٰة المصابیح، جلد دوم، کتاب اللباس ص ۳۲۸

[3] ایضاً، باب التصاویر ص ۳۵۵

عن ابی طلحۃؓ قال قال النبیّ صلی اللہ علیہ وسلّم لا تدخلُ الملٰٓئِکۃُ بیتًا فیہ کلبٌ ولا تصاویرُ[1]

حضرت ابی طلحہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا اور تصویریں ہوں۔

اس پوری بحث سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ مال و دولت اللہ تعالیٰ کی نعمت کے طور پر انسان کو ودیعت کی جاتی ہے۔ اس کو مقدس امانت سمجھ کر اُن مصارف پر خرچ کرنا چاہیے جو اسلام نے ہمارے لیے متعین کئے ہیں۔ اپنی ضروریاتِ زندگی کو پورا کرنے کے لیے صرف کرنے کا اسلامی طریقہ اپنانا چاہیے جس میں اسراف، بخل اور تبذیر کا شائبہ تک نہ ہو۔ اپنی اور اپنے بال بچوں کی ضروریات پر خرچ کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے والدین اور عزیز و اقارب کے حقوق پورے کریں۔ معاشرے کے مستحق، ضرورتمند اور حاجت مند افراد کی مالی اعانت و کفالت کا اہم فریضہ سر انجام دیں۔

دینِ اسلام کی سربلندی اور اس کے غلبے کے لیے پوری فراخدلی سے اپنی دولت وقف کر دینی چاہیے نیکی و بھلائی اور رفاہِ عامہ کے کاموں کے لیے دل کھول کر مال صرف کریں۔ مال و دولت خرچ کرتے وقت اللہ کی خوشنودی اور رضا کے سوا کچھ مطلوب نہ ہو۔ یہی مال و دولت کا حق ہے اور یہی اسلام کا تقاضا ہے جس کے لیے ہر صاحبِ مال اللہ کے حضور جوابدہ ہوگا۔

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح جلد دوم، باب التصاویر ص ۳۵۴